مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع اِلی القرآن کورس

میں داخلوں کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں :

- واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجویشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہشمند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
- یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی' قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون' جولائی' اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کو condense کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا۔

ـــــ داخلوں کا شیڈول اس سال ان شاء اللہ حسب ذیل رہے گا : ـــــ

- داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست ہے۔
- داخلہ کے لئے انٹرویو 31/ اگست کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جا سکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہو جائے گا۔ پہلے دو روز تعارفی نوعیت کی کلاسز ہوں گی اور باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 4 ستمبر سے ہو گا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلوں سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں :

ناظم قرآن کالج' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03-5869501)

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۱۹ | جمادی الاول ۱۴۲۱ھ — اگست ۲۰۰۰ | شمارہ ۸

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔کے۔ماڈل ٹاؤن۔لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ادارۃ منزل متصل شاہ بجری۔شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زر تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

پاکستان کی موجودہ حکومت کے بعض ذمہ دار حضرات کے غیر محتاط بیانات سے شہ پا کر ان دنوں کچھ نام نہاد دانشوروں بالخصوص انگریزی اخبارات کے کالم نویسوں نے اس قسم کی خیالات کا پرچار شروع کر دیا کہ نہ پاکستان کے قیام کا کوئی تعلق دین و مذہب سے تھا' نہ ہی اس کی بقاء اور استحکام کے لئے کسی دینی یا نظریاتی تشخص کی ضرورت ہے۔ ان دانشوروں کا یہ طرز عمل تحریک پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے اور حق پر باطل کی ملمع کاری کی مذموم کوشش ہے۔ ان خیالات کا اظہار صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ۴/اگست کو مسجد دار السلام میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ پارسی مذہب سے تعلق رکھنے والے بزرگ دانشور کاؤس جی کی طرف سے اس طرح کے سیکولر نظریات کا پرچار کسی قدر قابل فہم ہے' لیکن زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ کئی مسلم دانشور بھی سیکولرازم کی حمایت میں نظریہ پاکستان کی بڑھ چڑھ کر نفی کر رہے ہیں۔ حتی کہ حیدر آباد دکن جیسے مسلم تہذیب کے وارث علاقے سے تعلق رکھنے والے پروفیسر شریف الجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ دو قومی نظریہ صرف قیام پاکستان تک موثر تھا' قیام پاکستان کے بعد اب اس کی کوئی عملی حیثیت نہیں۔ گویا شریف الجاہد اور ان کے ہمنوا مفکرین نہ صرف یہ کہ قائداعظم کے ان تمام اقوال و فرمودات کی نفی کر رہے ہیں جو ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء کے دوران پبلک کے سامنے تواتر کے ساتھ آتے رہے' بلکہ اس طرح درپردہ وہ قائداعظم کی کردار کشی کرنے کے درپے ہیں کہ گویا انہوں نے بھی بے اصولے سیاستدانوں کی طرح وقتی مصلحت کی خاطر دو قومی نظریئے کا سہارا لیا۔ انہوں نے کہا کہ قائداعظم ہر لحاظ سے ایک سچے اور کھرے انسان تھے' ان کا ظاہر و باطن ایک تھا اور یہی وجہ ہے کہ کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کا لوہا ماننے پر مجبور ہوئے۔ ایک بار قائداعظم سے پوچھا گیا کہ پاکستان کا دستور کیسا ہو گا تو قائداعظم نے کہا تھا ہمارا دستور ۱۴۰۰ سال پہلے تیار ہو چکا ہے' ہمارا دستور قرآن ہے۔ اسی طرح قائداعظمؒ نے علامہ اقبال سے اپنی خط و کتابت کے ایک کتابی مجموعے کے پیش لفظ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ اقبال کے خیالات سے پوری طرح متفق تھے۔ گویا قائداعظم اگر بانی اور معمار پاکستان ہیں تو علامہ اقبال مفکر و مصور پاکستان ہیں۔ جبکہ علامہ

(باقی اندرونی ٹائٹل' صفحہ ۳ پر)

ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

ختمِ نبوّت اور اس کے لوازم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝ ﴾ (الفتح : ۲۸)

یہ آیۂ مبارکہ سورۃ الفتح میں وارد ہوئی ہے۔ ویسے اس کا جزوِ اعظم دو اور سورتوں میں یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں بعینہٖ انہی الفاظ میں آیا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾

قرآن حکیم میں تین مقامات پر ایک مضمون کا دہرایا جانا یقیناً اُن الفاظ کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اس آیۂ مبارکہ کو پورے قرآن مجید کا عمود قرار دیا ہے' یعنی یہ وہ مرکزی خیال ہے جس کے گرد قرآن حکیم کے تمام مضامین گھومتے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ذرا غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ سیرتِ محمدی ؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں تو یقیناً یہ الفاظِ مبارکہ "کلید" کا درجہ رکھتے ہیں' کیونکہ انہی کے فہم پر دار و مدار ہے اس کا کہ ہم اس بات کو سمجھ سکیں کہ انبیاء و رُسل کی مقدّس جماعت میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا امتیازی مقام کیا ہے! اس لئے کہ یہ الفاظ آنحضور ﷺ کے لئے تو قرآن کریم میں تین بار آئے ہیں' لیکن کسی دوسرے نبی یا رسول کے لئے نہ صرف یہ الفاظ بلکہ اس کے قریب المفہوم الفاظ بھی

پورے قرآن حکیم میں کہیں وارد نہیں ہوئے۔ ذرا اِن پر توجہ کو مرتکز کیجئے' ان کا ترجمہ یہ ہے :

"وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول (ﷺ) کو الھدیٰ کے ساتھ اور دینِ حق دے کر' تاکہ غالب کر دے اس کو پورے کے پورے دین پر' اور کافی ہے اللہ بطورِ گواہ۔"

ان الفاظِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان سامنے آتی ہے۔ اس آیت کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے! اس آیت میں آنحضور ﷺ کے لئے لفظ "رَسُوْلَهٗ" وارد ہوا ہے۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ بقیہ انبیاء و رُسل کی نسبتیں اور اُن کی امتیازی حیثیتیں کچھ دوسری ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ صفی اللہ ہیں' حضرت نوحؑ نجیّ اللہ ہیں' حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں' لیکن حضرت محمد ﷺ رسول اللہ ہیں۔ گویا کہ منصب رسالت جس مقدس ہستی پر اپنے نقطۂ عروج کو اور نقطۂ کمال کو پہنچا ہے وہ ہے ذاتِ محمدیؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء و رُسل کی بعثت صرف اپنی اپنی قوموں کی طرف ہوئی۔ سب کی دعوت قرآن مجید میں نقل ہوئی ہے' لیکن اُن کا خطاب ہمیشہ ایک ہی رہا :

﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾

"اے میری قوم کے لوگو! بندگی اور پرستش اختیار کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ سے قبل تمام انبیاء و رسلؑ کی بعثت ان کی اپنی اپنی قوموں کی طرف ہوئی تھی۔ اس مقدس جماعت میں محمد رسول اللہ ﷺ وہ پہلے اور آخری نبی اور رسول ہیں جن کا خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے' بحیثیت نوعِ انسانی۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضور ﷺ کی دعوت کے ضمن میں بار بار الفاظ آئیں گے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ "اے لوگو!"

قرآن مجید میں جب آپ ﷺ کی دعوت کا آغاز ہوتا ہے تو آفاقی انداز سے ہوتا

ہے۔ سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت ہے :

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ .... ﴾

"اے بنی نوعِ انسان! اپنے رب کی بندگی اور پرستش کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔"

خود حضور ﷺ اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں' یہ الفاظ آپ ﷺ کے ایک خطبے میں وارد ہوئے ہیں جس کو نہج البلاغۃ کے مصنف نے نقل کیا ہے' اس کی رو سے حضور ﷺ فرماتے ہیں :

((اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ خَاصَّةً وَاِلَی النَّاسِ كَافَّةً))

"(اے قریش!) میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم۔"

قرآن مجید میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا :

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ﴾

"(اے محمد ﷺ) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر۔"

اور یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا :

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

"اور (اے محمدؐ!) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔"

پس جان لیجئے کہ یہ خصوصیت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے کہ آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی جانب ہے ـــــ اور یہ اصل میں اس لئے ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے واقعتاً دنیا میں ذرائع رسل و رسائل (Means of Communication) ایسے نہ تھے کہ کسی ایک نبی یا رسول کی دعوت پر پوری نوعِ انسانی کو جمع کیا جا سکتا۔ اس میدان میں مادی وسائل و ذرائع کے سلسلے میں جو ارتقاء ہوا ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اب اس رسالتِ کاملہ کا ظہور ہو جس کی دعوت پوری نوعِ انسانی کے لئے بیک وقت ہو اور جو مبعوث ہو اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ' تمام انسانوں کی جانب' خواہ وہ افریقہ کے سیاہ فام لوگ

ہوں، خواہ یورپ کے سرخ رو لوگ ہوں، یا مشرق کے زرد رُو لوگ ہوں۔

آیت زیرِ مطالعہ میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ..... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ کے ساتھ..."

الھُدیٰ سے یہاں مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ پہلی چیز ہے جو حضور ﷺ لے کر مبعوث ہوئے، جو ہدایتِ کاملہ و تامہ ہے۔ جو ھدًی لِّلنَّاس ہے، ھدًی لِّلمتقین ہے، شفاءٌ لِّما فِی الصُّدور ہے۔

اس ضمن میں بھی ایک بات نوٹ فرمالیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ تورات بھی اللہ کی کتاب تھی، انجیل بھی اللہ کی کتاب تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور بھی اللہ ہی نے عطا فرمائی تھی، بلکہ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی صحیفے عطا فرمائے گئے تھے، دیگر انبیاء و رُسل کو بھی صحیفے دیئے گئے ہوں گے، لیکن ان میں سے کسی کی حفاظت کا ذمّہ اللہ نے نہیں لیا تھا۔ ان میں سے بعض کتابیں تو دنیا سے ناپید ہو گئیں، صحفِ ابراہیمؑ کا کہیں کوئی وجود نہیں، اور بعض کتابیں جو موجود ہیں ان کے بارے میں ان کے ماننے والے بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی اصل صورت میں موجود ہیں، نہ ہی وہ اُس زبان میں ہیں جن میں وہ اصلاً نازل ہوئی تھیں۔ ان کتابوں کو ماننے والے خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی کتابیں محرف ہیں ـــــ لیکن قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ نے خود ذمہ لیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کو بصراحت بیان کر دیا گیا :

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹)

"ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

تمام ائمہ اُمت اور تمام جمہور مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت مبارکہ میں "ذکر" سے مراد قرآن حکیم ہے۔ خود قرآن ہی میں اس کا ایک نام "ذکریٰ" بھی بیان ہوا ہے۔ اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے۔ سابقہ کتابیں درحقیقت اسی کتاب ہدایت کے ابتدائی ایڈیشن تھے جس کتاب ہدایت کا آخری اور مکمل ایڈیشن قرآن حکیم ہے۔ جس طرح

انسان کے مادی ذرائع و وسائل نے ارتقائی مراحل طے کئے اسی طرح انسان کے ذہن اور شعور کا معاملہ بھی ارتقاء پذیر رہا۔ انسان جب اپنے عقلی بلوغ کو پہنچا' اپنی عقلی' ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے پختہ (mature) ہوا تو یہ وہ وقت تھا کہ اب اسے ہدایتِ کاملہ و تامّہ یعنی ابدی ہدایت مکمل طور پر دے دی جائے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کی کتابیں ابدی نہ تھیں' وہ ہمیشہ کے لئے نازل ہی نہیں ہوئی تھیں' اس لئے ان کی حفاظت مشیتِ الٰہی میں تھی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو نہ یہ گم ہوتیں اور نہ ہی ان میں تحریف ہو سکتی ـــــ ہمیشہ کے لئے ہدایت' آخری ہدایتِ کاملہ و تامّہ وہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ اس ہدایت نامے کو تاقیامِ قیامت نافذ العمل رہنا تھا' لہٰذا اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا۔

ذرا آگے چلئے! دوسری چیز جو حضور ﷺ لے کر آئے یا دے کر بھیجے گئے وہ دینِ حق ہے' وہ ایک نظامِ اجتماعی ہے' ایک ایسا نظام عدلِ اجتماعی جس میں سب کے حقوق و فرائض کا ایک نہایت معتدل اور متوازن نظام موجود ہے' جس میں کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ میزان ہے جس میں سب کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اس میزان سے تول کر ملے گا جس کو جو کچھ ملے گا۔ قسط' عدل اور انصاف سے ہر فرد کو' ہر شخص کو اُس کی ناگزیر ضروریاتِ زندگی ملیں گی۔

غور کیجئے کہ ایک نظامِ اجتماعی اِس دَور کے انسان کی اصل ضرورت ہے۔ ایک نظامِ عدل کی پوری نوعِ انسانی احتیاج رکھتی ہے۔ جہاں تک انفرادی اخلاقیات کا تعلق ہے سابقہ انبیاء و رُسل بھی اس لحاظ سے بہت بلندیوں تک پہنچ چکے تھے۔ ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ جہاں تک ذاتی اخلاق کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام بھی بہت بلند مقام پر پہنچ چکے تھے' لیکن جس دور کے فاتح ہیں حضرت محمد ﷺ اس دَور میں انسانی اجتماعیت بھی ارتقائی مراحل طے کر کے اس مقام تک آ چکی ہے کہ اجتماعیت کا پلہ انفرادیت پر کافی بھاری ہو چکا ہے۔ انفرادیت اجتماعیت کے شکنجے میں کسی جا چکی ہے اور اب اجتماعیت کی گرفت انتہائی مضبوط ہے۔ اب ایک ایسے نظامِ اجتماعی کی ضرورت ہے جس میں انفرادی سیرت و اخلاق کے ساتھ ساتھ ایک صالح معاشرہ بھی موجود ہو' یعنی

پوری اجتماعیت بھی صالح ہو۔ یہ ذہن میں رکھئے کہ ابتداءً قبائلی نظام کے تحت قبیلہ ہی ایک مکمل اجتماعی یونٹ بن گیا تھا' سیاسی اعتبار سے بھی' سماجی اعتبار سے بھی اور معاشی اعتبار سے بھی۔ پھر ذرا انسان نے ترقی کی' تمدن نے ارتقاء کا مرحلہ طے کیا تو شہری ریاستیں قائم ہوئیں۔ اس کے بعد انسان نے اور قدم آگے بڑھایا تو بڑی بڑی بادشاہتیں (Empires)' بڑی بڑی مملکتیں قائم ہوئیں اور بڑی بڑی سلطنتوں کا دَور آیا ـــــ یہ وہ دَور ہے جب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ وہ نظام لے کر آئے جو انسانوں کے مابین عدل اور قسط کی ضمانت دے' جس میں کوئی طبقہ دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ کر رہا ہو' جس میں نہ فرد جماعت کے بوجھ تلے سسک رہا ہو نہ جماعت اور اس کے تقاضے انفرادیت پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے ہوں۔ ایسا نظامِ عدل و قسط صرف دینِ حق ہے' جو خالقِ کائنات کی جانب سے بواسطہ اپنے آخری رسولؐ نوعِ انسانی کو دیا گیا۔ اسی کو قرآن "دین الحق" کہتا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ بہتر نظام' نہایت عادلانہ نظام' نہایت منصفانہ نظام اگر صرف کسی کتاب کی زینت ہو' کسی کتاب کے اوراق میں لکھا ہوا موجود ہو تو وہ نوعِ انسانی کے لئے حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔ کوئی بھی نظام لوگوں کے لئے حجت' دلیل اور قاطع عذر حقیقی معنوں میں اُس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کو قائم کر کے اور چلا کر دکھا نہ دیا جائے' اور اس دینِ حق کی برکات و حسنات کا انسان عملی طور پر تجربہ نہ کر لے۔

آپ کے علم میں ہے کہ افلاطون نے بھی ایک بہت اعلیٰ کتاب (Republic) لکھی جس میں اس نے نظری اعتبار سے بہت عمدہ نظام تجویز کیا' لیکن یہ پوری دنیا کو معلوم ہے کہ وہ نظام کبھی ایک دن کے لئے بھی' دنیا میں کسی ایک مقام پر بھی قائم نہیں ہوا۔ چنانچہ اس کی حیثیت ایک خیالی جنّت (Utopia) کی ہے۔ وہ ایک ایسی چیز ہے جو کہ ناممکن العمل ہے۔ اس کے برعکس محمدؐ رسول اللہ ﷺ جو نظام لے کر آئے وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے' وہ ایک طرف اخلاقی تعلیم کا حسین ترین مرقع ہے تو دوسری طرف اجتماعی زندگی سے متعلق نہایت اعلیٰ و ارفع' معتدل و متوازن اور منصفانہ نظام کا حامل ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرایا :

﴿ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل کی ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مابین نظام عدل قائم کروں۔"

اس آیت کی رو سے نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت یہ قرار پایا کہ آپ ﷺ اس نظامِ عدل و قسط کو پورے کے پورے نظامِ زندگی پر غالب کریں' قائم کریں' نافذ کریں جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا۔ چنانچہ دین حق کے غلبے کے لئے ایک عظیم انقلابی جدّوجُہد ہے جو ہمیں سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام میں نظر آتی ہے۔ ایک مکمل انقلاب بلکہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ ہے جو محمد عربی ﷺ نے برپا کیا' اور ایک مکمل انقلابی جدّوجُہد کا خاکہ ہے جو ہمیں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تیئیس (۲۳) برس میں نظر آتا ہے ـــــ آغازِ وحی کے بعد شمسی سال و ماہ کے لحاظ سے یہ عرصہ ساڑھے اکیس برس بنتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس مختصر عرصے میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا' اور اس دین حق کو عملاً دنیا میں نافذ کر کے اس کا ایک نمونہ نوعِ انسانی کے لئے پیش کر دیا۔

چوتھی چیز جو بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ کی انقلابی جدّوجُہد میں ہم دیکھیں گے کہ قدم قدم پر مشکلات ہیں' مصائب ہیں' موانع ہیں۔ یہ جدّوجہد نبی اکرم ﷺ نے خالص انسانی سطح پر کر کے دکھائی ہے۔ آپ ﷺ نے وہ ساری تکلیفیں جھیلی ہیں جو کسی بھی انقلابی جدّوجہد میں کسی بھی داعی انقلاب کو اور انقلابی کارکنوں کو جھیلنی پڑتی ہیں۔ وہ تمام شدائد' وہ تمام موانع' وہ تمام مشکلات' وہ تمام آزمائشیں اور وہ تمام تکالیف اور مصائب جو کسی بھی انقلاب کے علمبرداروں اور کسی بھی انقلاب کے کارکنوں کو جھیلنی پڑتی ہیں وہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس جھیلی ہیں۔ اس کا بھی ایک سبب ہے جس کو جان لینا چاہئے۔ یہ انقلاب صرف عرب کے لئے نہیں تھا' پوری نوعِ انسانی کے لئے تھا' یہ پورے عالمِ ارضی کے لئے تھا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اُس کی تکمیل فرمادی اور اُس کے بعد عالمی سطح پر اُس کی تکمیل کا فریضہ اُمّت کے حوالے کر کے آپ ﷺ نے اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى کہتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ جلّ شانہ کی

طرف مراجعت اختیار فرمائی۔

اب ظاہر ہے کہ بعد میں اس انقلاب کی تکمیل جن لوگوں کو کرنی تھی انہیں خالص انسانی اور بشری سطح پر اس فرضِ منصبی کو ادا کرنا تھا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ محبوبِ رب العالمین ہیں' اور اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ علٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہ چاہتا تو اپنے محبوب کے پاؤں میں کانٹا تک نہ چبھنے دیتا اور آپؐ کا فرض منصبی بھی مکمل ہو جاتا ـــــ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ آنحضور ﷺ نے ساری مصیبتیں جھیل کر' ساری تکلیفیں برداشت کر کے دین کو بالفعل قائم و نافذ فرما کر اُمّت پر ہمیشہ کے لئے ایک حجت قائم کر دی ہے کہ اللہ کے اس دین حق کو اب امت نے غالب اور نافذ کرنا ہے' اور اِس راہ کی تمام مصیبتیں جھیل کر' تمام قربانیاں دے کر' تمام مشکلات سے عہدہ برآ ہو کر اب یہی کام امت نے کرنا ہے۔ اب یہ فرض مسلمانوں نے انجام دینا ہے۔ جب محبوبِ رب العالمین سرورِ دو عالم ﷺ نے مصیبتیں اٹھا کر خالص انسانی سطح پر یہ کام انجام دیا ہے تو مسلمانوں کو بھی اس کے لئے تیار رہنا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے' جو اپنی جگہ صد فیصد درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں تمام انبیاء و رُسل کے اوصاف اور محاسن جمع ہیں۔ بقول شاعر ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

لیکن ساتھ ہی وہ بات بھی پیش نظر رہے جو آنحضور ﷺ نے فرمائی کہ تمام نبیوں اور رسولوں نے جتنی تکلیفیں برداشت کیں میں نے تنہا وہ سب کی سب برداشت کی ہیں۔

فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وسلم تسلیمًا کثیراً کثیراً
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

درس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف
(۳)
نبیّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی تعیین

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ —— اَمَّا بَعْدُ :
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ ﴾ (الصف : ۹) —— صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

سورۃ الصف کی یہ آیت' جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' باعتبارِ مضمون اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اسی سے اس سورۃ کا عمود معیّن ہوتا ہے۔ یہ بات بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کا بڑا اور مرکزی حصہ جوں کا توں قرآن مجید میں تین مقامات پر وارد ہوا ہے۔ اس تکرار اور اعادے سے دراصل اس مضمون کی اہمیت کی جانب رہنمائی ہوتی ہے۔ یقیناً قرآن مجید میں بعض الفاظ یا مضامین کا بار بار آنا اُن کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "اِزَالَۃُ الْخِفَا عَنْ خِلَافَۃِ الْخُلَفَاءِ" میں قرآن کریم کی اہم

ترین آیات میں سے شمار کیا ہے۔ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کے تعیّن میں اس آیۂ مبارکہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے اسے "اسلامی انقلاب" کے لئے عنوان قرار دیا تھا۔ بعض حضرات نے یہ بات نقل کی ہے' اگرچہ میں خود اس کی تصدیق نہیں کر پایا' کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیۂ مبارکہ کو پورے قرآن مجید کے لئے بمنزلۂ عمود قرار دیا ہے۔ اور اس میں تو ہرگز شک نہیں کہ سیرتِ محمدی ؐ کو سمجھنے اور حضور ﷺ کے کارنامۂ حیات کا صحیح صحیح اندازہ کرنے کے لئے کہ آپؐ کی عملی جدّوجُہد کن کن مراحل میں سے ہو کر گزری' کہاں سے سفر شروع ہوا اور کہاں پر ختم ہوا' اس آیت کا سمجھنا ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ نبوی ؐ کو سمجھنے میں لوگوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ حضور ﷺ کو اگر صرف دوسرے انبیاء پر قیاس کیا جائے تو بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

مستشرقین کی کوتاہ فہمی

مستشرقین نے بالخصوص اس معاملے میں بڑا دھوکہ کھایا ہے۔ ان کے سامنے نبوّت و رسالت کے آئیڈیل حضرت مسیح یا حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں اور ان کی زندگی میں کسی قتال یا جنگ کا سراغ نہیں ملتا۔ چنانچہ مغربی مفکرین اور مستشرقین کو جنگ و قتال کا معاملہ منصبِ رسالت سے بڑا ہی متصادم نظر آتا ہے۔ وہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ٹائن بی کا یہ جملہ بہت مشہور ہے :

"Muhammad failed as a prophet but succeeded as a statesman"

ان کے نزدیک حضور ﷺ کی زندگی کا جو نقشہ مکّی دَور میں سامنے آتا ہے صرف وہی نبوّت و رسالت سے مطابقت رکھتا ہے' جبکہ وہاں سے آپؐ کو ہجرت کرنا پڑی۔ گویا ان کے خیال میں بحیثیتِ نبی اور رسول آپ ﷺ ناکام ہو گئے۔ (معاذ اللہ)۔ اس کے برعکس مدنی دَور کا جو نقشہ ان کے سامنے آتا ہے اس میں انہیں آنحضور ﷺ ایک حکمران' ایک مدبّر' ایک سیاست دان اور ایک سپہ سالار کی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ اور اس پہلو سے وہ دیکھتے ہیں کہ آپؐ کامیابی کی انتہاؤں کو چھو رہے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کون اندھا ہو گا

کہ جس کی نگاہیں آپؐ کی عظمت کے احساس سے جھک نہ جائیں کہ کامیابی گویا اپنے آخری اور تکمیلی درجے میں محمد ﷺ کے قدم چومتی نظر آتی ہے۔ لیکن یہاں مغربی مؤرخین اور مستشرقین نے یہ گرہ لگادی کہ یہ کامیابی بحیثیت "statesman" تھی' بحیثیتِ نبی نہیں تھی۔ اسی مغالطے کو پیدا کرنے کے لئے سر منٹگمری نے سیرتِ نبویؐ پر جو کتاب لکھی اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا : "Mohammad at Mecca" اور "Mohammad at Madina" اور اس طرح اس نے مکّی اور مدنی دور کے ظاہری تضاد کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ حضور ﷺ کی تعریف میں اس نے کہیں بخل سے کام نہیں لیا' بلکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو نسلِ آدم کے عظیم ترین افراد میں شمار کیا ہے۔ آپؐ کے تدبّر' آپؐ کی فراست' آپؐ کی معاملہ فہمی' آپؐ کی پیش بینی' آپؐ کی دور اندیشی' ان تمام اعتبارات سے اس نے آپؐ کی صلاحیتوں کا لوہا مانا ہے اور آپؐ کی تعریف میں آخری حد تک چلا گیا ہے۔ لیکن ہم لوگ بھول جاتے ہیں کہ اس مٹھاس کے اندر اس نے بڑے لطیف پیرائے میں ایک زہر بھی شامل کر دیا ہے۔ وہ زہر یہی ہے کہ وہ لوگ یہ تصور دینا چاہتے ہیں کہ آپؐ کی یہ تمام کامیابیاں ایک سیاست دان اور ایک مدبّر کی حیثیت سے تھیں' نبی کی حیثیت سے نہیں تھیں۔ یہ سارا مغالطہ اسی بنیاد پر ہے کہ ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت کے لازمی اور منطقی تقاضے کو نہیں سمجھا گیا۔ اس اعتبار سے حقیقت یہ ہے کہ سیرتِ محمدیؐ کے صحیح فہم کے لئے یہ آیۂ کریمہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

رسولِ کامل ﷺ

اس تمہید کے بعد اب ذرا اس آیۂ مبارکہ کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ ﴿ هُوَ الَّذِیْ ﴾ "وہی ہے وہ"۔ یہاں اشارہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف۔ اس لئے کہ سورۃ الصف میں جو آیت اس آیت سے متّصلاً قبل وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ "یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں' مگر اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا' خواہ یہ

کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔ اس پہلو سے جب "ھُوَ" سے اگلی آیت شروع ہوئی تو معین ہو گیا کہ اس سے مراد ہے ذاتِ باری تعالیٰ۔

آگے چلئے ﴿ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ﴾ "(وہی ہے اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (ﷺ) کو"۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ذکر ہے محمد ﷺ کا۔ عربی زبان میں اَرْسَلَ، یُرْسِلُ، اِرْسَالاً کا مفہوم ہے بھیجنا۔ کسی کو ایلچی بنا کر، سفیر بنا کر یا پیغامبر بنا کر بھیجنا۔ یہاں آنحضور ﷺ کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مختلف انبیاء و رُسل (علیہم السلام) کے اسماء کے ساتھ ان کی بعض خصوصی نسبتوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کے ساتھ صفیّ اللہ کے الفاظ معروف ہیں۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کو نجیّ اللہ، حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ، حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح اللہ، حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس فہرست میں حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ "رسول اللہ" ہی کے الفاظ معروف و مشہور ہیں۔ غور کرنے پر یہ حقیقت کھلے گی کہ اگرچہ نوحؑ بھی اللہ کے رسول تھے، موسیٰؑ بھی رسول تھے، عیسیٰؑ بھی اللہ کے رسول تھے، لیکن اس لفظ "رسول" کا مصداقِ کامل اور مصداقِ اَتم ہیں محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ رسالت کا ادارہ تکمیل کو پہنچا ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں۔ گویا آپؐ کا امتیازی لقب یا امتیازی شان ہی یہ ہے کہ آپؐ "رسول اللہ" ہیں۔ سورۃ الفتح میں آپؐ کی اسی نسبت کو نمایاں کیا گیا ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ اس میں گویا اس حقیقت کی جانب ایک لطیف اشارہ موجود ہے جس کی جانب پہلے توجہ دلائی جا چکی ہے کہ رسالت اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ گئی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں!

"الھُدیٰ" اور "دِیْنِ الْحَقّ"

اب آگے بڑھئے: ﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ حرفِ "ب" عربی میں کسی چیز کی معیت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مفہوم یہ ہوا کہ اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو دو چیزیں دے کر بھیجا ہے: (۱) الھدیٰ اور (۲) دین الحق۔ الھدیٰ سے مُراد ہے ہدایتِ کاملہ، وہ کتابِ ہدایت کہ جس نے ہدایت کے تمام پہلوؤں کو

اپنے اندر جمع کرلیا ہو' سمیٹ لیا ہو' سمو لیا ہو۔ اس کی تعیین کے ضمن میں اگر قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ اس سے مراد خود قرآن ہے۔ اس لئے کہ اسی قرآن کے لئے سورۃ البقرۃ کے بالکل آغاز میں "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی کو "هُدًى لِّلنَّاسِ" قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی قرآن ہے جس کے بارے میں سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا : ﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ تو معلوم ہوا کہ الھدیٰ سے مراد ہے قرآن حکیم!

اب آگے بڑھیے! دوسری چیز جو آپ ﷺ کو دے کر بھیجا گیا وہ دینِ حق ہے۔ یہاں "دین الحق" عربی نحو کے اعتبار سے مرکب اضافی کی شکل میں ہے۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ہوں گے "حق کا دین" تاہم عربی میں بعض اوقات مرکب توصیفی' مرکب اضافی کی شکل میں آجاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا : حق دین یا سچا دین۔ ویسے ان دونوں صورتوں میں مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' اس لئے کہ اسے اگر حق کا دین قرار دیں تو قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر اللہ کو "الحق" کہا گیا ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهُ هُوَ الْحَقُّ ﴾ مجسّم حق اور کامل حق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ گویا "حق کا دین" کے معنی ہوں گے اللہ کا دین۔ اور اگر اسے مرکبِ توصیفی مان کر "سچا دین" ترجمہ کیا جائے تو بھی بات وہیں جا پہنچے گی' اس لئے کہ سچا ترین دین تو اللہ ہی کا ہو سکتا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ کے دین سے کیا مراد ہے؟ لفظ دین پر غور کیجئے! یہ لفظ اس سے پہلے ہمارے اسباق میں سورۃ الفاتحہ کے درس میں "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کے ضمن میں زیر بحث آچکا ہے۔ اُس وقت عرض کیا گیا تھا کہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے جزا و سزا اور بدلہ۔ مشہور مصرع ہے ع دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا۔ کہ جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ معاملہ کیا تھا ویسا ہی ہم نے ان سے کر دیا۔ یعنی ہم نے ان کے عمل کا انھیں پورا پورا بدلہ دے دیا ہے۔ اسی طرح ایک معروف کہاوت ہے : "كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ" جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ عربی زبان میں "دَيْنٌ" کہتے ہیں قرض کو' کہ وہ لوٹ کر آتا ہے۔ جس طرح کسی عمل کی جزا عمل کرنے والے کی طرف لوٹ کر آتی ہے اسی طرح "دین" (قرض) دینے

والے کو واپس ملتا ہے۔ تو دین کے اصل لغوی معنی بدلے اور جزا و سزا کے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے جب اس لفظ کو اس اصل لغوی اساس سے اٹھا کر اسے اپنی ایک اصطلاح بنایا تو اس میں ایک اضافی مفہوم شامل ہو گیا۔ چنانچہ قرآنی اصطلاح میں لفظ دین بالعموم قانون، ضابطہ اور شریعت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے کہ جزا و سزا کے ساتھ کسی نہ کسی قانون اور ضابطے کا تصور لازم و ملزوم ہے۔ پھر اس میں اضافی مفہوم پیدا ہوا اطاعت کا۔ قرآن حکیم میں متعدد بار "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی "اطاعت کو اس (اللہ ہی) کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ اس لئے کہ کسی قانون یا ضابطے کی اگر اطاعت کی جائے گی تو جزا ملے گی، اور اگر اس کی خلاف ورزی ہوئی تو سزا ملے گی۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن مجید نے جب اسے دِيْنُ اللّٰهِ (النصر : ۱) کی مرکب شکل میں ایک گھمبیر اصطلاح کا درجہ دیا تو اس میں جو مفہوم پیدا ہوا اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے! کسی ہستی کو مطاعِ مطلق مان کر اس کے قانون کے تحت جو زندگی بسر کی جائے گی وہ زندگی گویا اس کے دین کے اندر رہتے ہوئے گزاری جا رہی ہے۔ یہ ہے دین کا گھمبیر، ہمہ گیر اور جامع تصور جسے قرآن مجید نے ایک بہت اہم اصطلاح کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔

چنانچہ اس تناظر میں غور کیجئے کہ اگر کسی جگہ بادشاہت کا نظام قائم ہے، ایک فردِ واحد کو ہی حاکم مطلق (soverign) ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے تو یہ گویا کہ "دِيْنُ الْمَلِک" ہے۔ اس لئے کہ اس نظام میں بادشاہ مطاعِ مطلق ہے۔ یہ لفظ بعینہٖ اسی مفہوم میں سورۃ یوسف میں وارد ہوا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے ایک خاص واقعے کے ضمن میں "دِيْنُ الْمَلِک" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ واقعہ لمبا ہے، مختصراً یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں ایک بہت بڑے عہدے پر فائز ہو چکے تھے اور ان کے بھائی قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُن کے پاس غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے، تو انہوں نے اپنے حقیقی بھائی بن یامین کو، جسے انہوں نے خاص طور پر فرمائش کر کے بلوایا تھا، اپنے پاس روکنا چاہا، لیکن چونکہ انہوں نے خود کو اپنے بھائیوں پر ظاہر نہیں کیا تھا، بلکہ بھائی اس حقیقت سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کا

واسطہ جس "عزیزِ مصر" سے ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے' لہٰذا بن یامین کو اپنے پاس روکنے کا کوئی معقول سبب بظاہر بھائی نہیں دیتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص طریقہ سجھایا اور ایک خصوصی تدبیر کے ذریعے وہ اپنے بھائی کو روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ سورۃ یوسف میں اس پورے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے اس بادشاہی نظام کے اندر رہتے ہوئے (جس میں وہ خود ایک اہم عہدہ پر فائز تھے) یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی بن یامین کو روک سکتے! تو یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی فردِ واحد کو مختارِ مطلق اور مطاعِ مطلق مان کر اس کے تحت جو اجتماعی نظام کسی جگہ پر قائم ہو گا اسے دینُ المَلِک کہا جائے گا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے آپ دورِ جدید کے مقبول ترین نظام یعنی جمہوریت کو' "دین الجمہور" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس نظام میں اصل حاکمیت جمہور کی ہے۔ ان کے نمائندے کثرتِ رائے سے جس چیز کو چاہیں جائز قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں ناجائز قرار دے دیں۔ یہ ایک مکمل نظام ہے' پورا دین ہے' جسے بجا طور پر دین جمہور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس پس منظر پر غور کیجئے کہ "دین اللہ" اور "دین حق" کا مفہوم کیا ہو گا! وہ نظام جس میں اللہ ہی کو مطاع مطلق تسلیم کیا جائے' حاکیتِ مطلقہ (Sovereignty) صرف اسی کے لئے ہو ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بتانِ آزری!

اس اصول پر مبنی پورے نظامِ زندگی کا جو مکمل ڈھانچہ استوار ہو گا وہ کہلائے گا "دین اللہ"۔ یہ "دین اللہ" یا "دین حق" ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا گیا تھا۔ یہ وہ دوسری چیز ہے جو آپؐ کو عطا ہوئی تھی۔ ذہن نشین کر لیجئے! پہلی چیز جو آپؐ کو عطا ہوئی وہ ہے "الہدیٰ" یعنی قرآن حکیم اور دوسری شے جو دے کر آپؐ مبعوث فرمائے گئے اسے قرآن نے "دِین الحق" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی عدل و قسط پر مبنی ایک مکمل نظامِ اجتماعی' ایک مکمل ضابطۂ حیات' ایک کامل نظامِ اطاعت جس میں

زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ضابطہ و قانون موجود ہے۔

یہاں ذہن میں ایک سوال یہ آسکتا ہے کہ کیا قرآن میں کامل نظام نہیں ہے؟ "الھدیٰ" کے بعد حرف "و" واوِ عطف ہے اور واوِ عطف مغائرت کا متقاضی ہے۔ پھر "دین الحق" قرآن سے کوئی جدا شے ہے؟ تو واقعہ یہی ہے کہ صرف قرآن پر مبنی کوئی نظام نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں صرف اصول دیئے گئے ہیں اور زندگی کے ہر گوشے کے متعلق صرف حدود کو معین کر دیا گیا ہے۔ ایک مکمل نظام اگر بنتا ہے تو وہ قرآن پر سُنّتِ رسولؐ کے اضافے سے بنتا ہے۔ اس خاکے کے اندر اگر رنگ بھرا جاسکتا ہے تو وہ سُنّتِ رسولؐ کے اضافے سے بھرا جاسکتا ہے۔ ایک مکمل نظام کی تشکیل کتاب اور سنّت دونوں کے مجموعے سے ہوگی۔ یہ بات اس سے پہلے بھی عرض کی گئی ہے کہ ہمارے ہاں پاکستان کی جو بھی کبھی کوئی دستوری دستاویز بنی ہے تو اس میں یہ الفاظ صحیح طور پر شامل ہوئے ہیں :

"NO LEGISLATION WILL BE DONE REPUGNANT TO THE QURAN AND THE SUNNAH"

اس لئے کہ قرآن و سُنّت کے اجتماع ہی سے دین حق مکمل ہوتا ہے اور ایک پورا نظام تشکیل پاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے لئے وقت کی تعیین!

اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک اہم علمی حقیقت کی طرف توجہ مبذول فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اب ذرا ذہن کے سامنے ایک سوالیہ نشان لائیے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت کا وقت معین کرنے میں اللہ کی کون سی حکمت تھی؟ اس کی تفتیش کیجئے تو عجیب حقائق سامنے آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کرۂ ارضی پر نسل انسانی کی تاریخ اور تاریخ نبوت دونوں ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہی نہیں پہلے نبی بھی تھے۔ انسانیت اور نبوت کے یہ قافلے ساتھ ساتھ چلے ہیں اور دونوں قافلوں نے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ انسان نے بھی ارتقائی مراحل طے کئے ہیں اور نبوت و رسالت میں بھی ایک ارتقاء کا عمل جاری رہا ہے۔ اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان

نے آج سے چودہ سو برس پہلے دو اعتبارات سے عہدِ طفولیت سے قدم نکال کر اپنی جوانی میں قدم رکھا ہے۔ قرآن مجید میں الفاظ آتے ہیں : "حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ" (جب وہ شخص اپنی پوری قوت' اپنی پختگی کو پہنچ گیا)۔ تو نسل انسانی بحیثیت مجموعی دو اعتبارات سے ایک بلوغ اور پختگی کو پہنچی ہے اُس وقت جبکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ انسانی ذہن اور اس کے فکر و شعور کے ارتقاء کا ایک عمل مسلسل جاری رہا ہے۔ اور جس طرح ایک بچے پر عہدِ طفولیت کے بعد لڑکپن' جوانی اور عقل کی پختگی کے سارے ادوار آتے ہیں اسی طرح نسل انسانی ان تمام مراحل سے گزری ہے۔ انسان کو کامل اور مکمل ہدایت روزِ اوّل سے نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس لئے نہیں کہ "نعوذ باللہ من ذالک" اس وقت اللہ کے پاس تھی نہیں۔ اللہ کے پاس تو تھی' لیکن انسان ابھی اس قابل نہ تھا کہ اس کو حاصل کر سکتا۔ ذہنی اور فکری اعتبار سے وہ ابھی اس سطح تک نہ پہنچا تھا کہ اس کو ابدی ہدایت نامے کا اہل سمجھا جاتا۔ لہٰذا عبوری دور میں ہدایات دی جاتی رہیں' کتابیں نازل ہوتی رہیں' صحیفے اترتے رہے' ابتدائی احکام دیئے جاتے رہے' تا آنکہ انسان اپنی عقل و شعور کی پختگی کو پہنچ گیا۔ اور فکر کی سطح کے اعتبار سے اس کا اہل ہو گیا کہ ابدی ہدایت نامہ اب اسے دے دیا جائے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے۔

نوعِ اِنسانی کی ذہنی و فکری بلوغت کا دَور

میں یہاں پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ معروف تو کچھ دوسرے اعتبارات سے تھے' انہوں نے علامہ اقبال کی کتابوں کی شرحیں بھی لکھی ہیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں جن لوگوں سے مل سکا ہوں ان میں مجھے اپنے محدود علم کے مطابق فلسفہ' تاریخ فلسفہ' تاریخ مذاہب اور منطق وغیرہ میں مطالعہ کی وسعت اور گہرائی کے اعتبار سے کوئی دوسرا شخص ان کی ٹکر کا نہیں ملا۔ انہوں نے ایک روز بر سبیل تذکرہ یہ بات کہی کہ نسل انسانی کی تاریخ کے بارہ سو برس بڑے اہم اور بہت productive ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بارہ سو سال کے دوران انسان جو کچھ سوچ سکتا تھا سوچ چکا اور اس کی سوچ اپنی پختگی کو پہنچ چکی۔ یہ ہیں چھ سو قبل مسیح سے لے

کر چھ سو بعد مسیح تک کے بارہ سو برس' جن کے دوران تمام مکتبہ ہائے فکر' تمام مدارسِ فلسفہ اور تمام مذاہب جو بھی پیدا ہونے تھے ہو چکے' اس کے بعد کوئی نیا مذہب اور کوئی نیا فلسفہ وجود میں نہیں آیا۔ دورِ حاضر میں یہ سارے جو نام لئے جاتے ہیں اور بڑی بھاری بھرکم اصطلاحات میں جو نئے فلسفے مغرب کے سمجھے جاتے ہیں' وہ logical positivism ہو یا existentialism ہو' یہ سب نئے لیبلوں سے نئی بوتلوں میں پرانی شرابوں کے سوا کچھ نہیں۔ انسان جو کچھ بحیثیتِ انسان سوچ سکتا تھا وہ چھ سو بعد مسیح تک سوچ چکا تھا اور اس کی فکر پختہ ہو چکی تھی۔ چشتی صاحب مرحوم سے یہ بات سن کر میرا ذہن فوراً منتقل ہوا کہ اگر یہ حقیقت ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کا گہرا تعلق ہے بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے زمانے اور وقت کے تعیّن کے ساتھ کہ جب انسان سوچ چکا جو کچھ کہ وہ سوچ سکتا تھا۔ سقراط' ارسطو اور افلاطون اپنے نظریات دنیا کے سامنے رکھ چکے۔ فلاسفہ ہند نے عقل کی جو بھی جولانیاں ہو سکتی تھیں وہ دکھالیں۔ فلاسفۂ یونان اور فلاسفۂ چین اور ایران انسان کو جو کچھ دے سکتے تھے دے چکے۔ تب وہ الکتاب اور الھدیٰ اس دعوے کے ساتھ نازل ہوئی کہ یہ ہدایتِ نامہ ہے' یہ آخری اور مکمل ہدایت ہے جو اب انسان کو دی جا رہی ہے۔ اور آپ غور کیجئے' اس سے بڑا گہرا تعلق ہے اس حقیقت کا کہ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے' از روئے الفاظ قرآنی : ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ سوچئے' تورات بھی اللہ ہی کی کتاب تھی' اگر اللہ اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا تو کیا اس میں تحریف ممکن ہوتی؟ بلکہ میں اس کے برعکس یوں کہوں گا کہ اگر قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے نہ لیا ہوتا تو کیا ہم قرآن مجید کو بخش دیتے! کیا اُمّتِ مسلمہ اس میں تحریف نہ کر دیتی؟ کیا معنوی تحریف ہمارے ہاں نہیں ہوئی؟ یہ حفاظت خصوصی قرآن کو دی گئی اور تورات' زبور اور انجیل کو نہ دی گئی اس کا کیا سبب ہے؟ میں کہا کرتا ہوں کہ ان کتابوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اللہ کی جناب میں یہ شکوہ کریں کہ پروردگار! یہ ہم سے سوتیلی بیٹیوں والا معاملہ کیوں ہوا؟ ہم بھی تیری کتابیں تھیں' ہمیں تو نے تحفظ کیوں نہ دیا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ ابھی عبوری دور کی ہدایات تھیں جب نسل انسانی ابھی عقل اور شعور کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اس

عبوری دَور کی حفاظت لازمی نہ تھی۔ ان کو مستقل بنانا اور محفوظ رکھنا ضروری نہ تھا۔ یوں سمجھئے کہ ایک ہی کتاب ہے جس کے سابقہ ایڈیشن پہلے دیئے گئے اور اسی کا کامل اور مکمل آخری ایڈیشن ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا۔

اجتماعی شعور کی پختگی

اب آیئے دوسرے مضمون کی طرف "دِیْنِ الْحَق" کے الفاظ میں درحقیقت نسل انسانی کے ایک اور اعتبار سے بلوغ کو پہنچنے کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اس سے پہلے بھی بعض مقامات پر اشارے کئے گئے ہیں کہ انسان نے انفرادیت سے تدریجاً اجتماعیت کا سفر طے کیا ہے۔ کبھی صرف ایک قبیلے کی زندگی تھی، پھر شہری ریاستیں وجود میں آئیں، پھر بڑی بڑی مملکتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں۔ یہ عظیم سلطنتوں کا دَور تھا جب محمدؐ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس وقت قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں قائم تھیں جن کے مابین تاریخ کئی سو برس سے جھولا جھول رہی تھی۔ ان سلطنتوں کی لکھوکھا کی تعداد میں standing armies تھیں۔ یہ تربیت یافتہ مسلح افواج تھیں۔ یہ وہ دَور تھا جبکہ محمدِ عربی ﷺ کی بعثت ہوئی ہے۔ گویا کہ انسان اجتماعی اعتبار سے بھی اب اس سطح پر آگیا تھا کہ اس کی ضرورت اب ایک اجتماعی نظام کی تھی۔ صرف انفرادی اخلاقیات اب اس کی ضرورت کی کفالت نہ کرسکتے تھے۔ انفرادی اخلاقیات کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام کہیں پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن اب ضرورت تھی ایک اجتماعی نظام کی، ایک ایسے نظامِ عدل و قسط کی جس میں انسانی زندگی کے جو بھی متصادم (conflicting) تقاضے ہیں ان کو اس طریقے سے سمو دیا جائے کہ ان میں اعتدال بھی ہو اور توازن بھی ہو، کوئی تقاضا کسی دوسرے تقاضے کے نیچے دب نہ جائے، انفرادیت بھی مجروح نہ ہو اور اجتماعیت کے حقوق بھی محفوظ رہیں۔ مرد کی قوامیت بھی مجروح نہ ہو اور عورت کے حقوق بھی اس طرح پامال نہ ہو جائیں کہ وہ بھیڑ بکری کی طرح صرف ملکیت بن کر رہ جائے۔ اسی طریقے سے زندگی کے اندر جو مختلف پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں اور جو مختلف نزاعات وجود میں آچکے تھے انسان کو ان سب کا ایک معتدل اور متوازن حل درکار تھا۔ یہ ہے اس دور کے

انسان کی اصل ضرورت! اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کیا۔ وہ ایک دین لے کر آئے' ایک نظام لے کر آئے۔ یہ نظام اجتماعی زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا نظام ہے اور یہ توازن اور اعتدال کی ایک عجیب کیفیت اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہی توازن اور اعتدال ہے جس کی وجہ سے سورۃ الحدید میں اس دین حق کو "المیزان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ میزان ہے' یہ تول دینے والی شے ہے' افراد کے حقوق کو معین کرنے والی' عورت اور مرد کے حقوق واختیارات اور فرائض کو معین کرنے والی اور تول دینے والی۔ یہ فرد اور اجتماعیت کے مابین اور سرمائے اور محنت کے مابین توازن پیدا کرنے والی میزان ہے' جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی شکل میں دے کر بھیجا گیا۔

لِیُظْهِرَهٗ کا مفہوم

اس کا لفظی ترجمہ ہو گا "تاکہ وہ غالب کر دے اس کو"۔ اس میں جو ضمیریں وارد ہوئی ہیں ان کے بارے میں مفسرین کے ہاں ایک سے زائد آراء موجود ہیں۔ چنانچہ اس لفظ کا ہمیں تفصیلاً تجزیہ کرنا ہو گا۔ ایک ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے کہ "تاکہ اللہ غالب کر دے اس دین کو"۔ اسی طرح یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ "تاکہ اللہ غالب کر دے محمد (ﷺ) کو"۔ اور ایک ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے "تاکہ محمدؐ غالب کر دیں اس دین کو!" ضمیر فاعلی اور ضمیر مفعولی کے مراد مختلف معین کرنے کی وجہ سے درحقیقت ترجموں میں یہ فرق واقع ہوا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظی فرق کے باوجود اس کے اصل مفہوم اور معنی میں ہرگز کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لفظ "اظہار" پر غور کیجئے۔ ظَهَرَ یَظْهَرُ کا مفہوم ہے کسی چیز کا ظاہر ہو جانا۔ اور اسی میں ایک مفہوم غالب ہو جانے کا بھی شامل ہے' اس لئے کہ کوئی چیز نمایاں اور ظاہر اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے ماحول پر غالب ہوتی ہے۔ اسی سے بابِ افعال میں مصدر بنا "اظہار" یعنی غالب کر دینا۔ اس کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں ظھر کہتے ہیں پیٹھ کو۔ کسی کی پیٹھ پر سوار ہو جانا اس پر غالب ہونے کے مترادف ہے۔ تو اظہار کا یہ مفہوم مسلّم ہے۔

لِیُظْهِرَهٗ کی ضمیرِ فاعلی کے بارے میں جو دو رائیں ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان کا مدلول ایک ہی ہے۔ چنانچہ "غالب کرنے والا" خواہ اللہ کو قرار دیا جائے خواہ رسول ﷺ کو' حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ فاعلِ حقیقی تو صرف اللہ ہی ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں بظاہر ہم محنت و مشقت سے روزی کماتے ہیں' لیکن ہمارا رازق اللہ ہی ہے۔ انسان تو محض کاسبِ اعمال ہے' خالق اعمال صرف اللہ ہے۔ چنانچہ اس عمل "اظہار" کے کرنے والے عالمِ اسباب میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہیں' اور عالمِ حقیقت میں اس کا فاعل اللہ ہے۔ لہٰذا مراد اور معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح کہ سورۃ الانفال میں غزوۂ بدر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ کہ اے مسلمانو! یہ ستر سردارانِ قریش جو تمہارے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے ہیں' انہیں تم نے قتل نہیں کیا' بلکہ درحقیقت اللہ نے انہیں قتل کیا ہے' اور اے نبی وہ مٹھی بھر کنکر جو آپ نے پھینکے تھے لشکر کفار کی طرف تو وہ آپ نے نہیں پھینکے تھے' اللہ نے پھینکے تھے۔ معلوم ہوا کہ عالم واقعہ میں یا بالفاظِ دیگر عالم اسباب میں غلبۂ دین کے لئے محنت' جدوجہد' سرفروشی اور جہاد و قتال کرتے نظر آتے ہیں محمد ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار' لیکن حقیقت کی سطح پر فاعل حقیقی صرف اللہ ہے۔ اسی طرح کا معاملہ لِیُظْهِرَهٗ میں شامل ضمیر مفعولی کا ہے۔ چنانچہ اس سے خواہ دین کو غالب کرنا مراد لیا جائے چاہے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو' مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ کی جدوجہد کا مقصود ہرگز اپنی ذات کا غلبہ نہ تھا۔ یہ بھاگ دوڑ اور سعی و جہد اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کیلئے ہرگز نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا غلبہ درحقیقت اللہ کے دین کا غلبہ تھا۔ لہٰذا لفظی ترجمہ چاہے جو بھی کیا جائے اور ضمیروں کے مراجع کے بارے میں خواہ کوئی بھی رائے قائم کی جائے' مفہوم ایک ہی رہے گا۔

اب تک اس آیۂ مبارکہ میں جو کچھ مضمون آیا ہے اسے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اللہ نے بھیجا اپنے رسول کو دو چیزیں دے کر (۱) الہدیٰ اور (۲) دین حق۔ کیوں بھیجا؟ اس کا جواب درحقیقت اس لفظ لِیُظْهِرَهٗ میں بیان ہوا ہے۔ اس لئے بھیجا تاکہ اس دین حق کو

غالب کردے پورے نظامِ زندگی پر (عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ)۔ لفظ دین کے ترجمہ میں بھی ہمارے ہاں کچھ اختلاف رہا ہے۔ بعض لوگوں نے "تمام ادیان" ترجمہ کر دیا ہے' بعض نے "سب دین" ترجمہ کیا ہے' اسی طرح بعض لوگوں نے اس سے "کل دین" اور بعض نے "جنس دین" مراد لیا ہے۔ یہ مؤخر الذکر ترجمہ درحقیقت اصل مفہوم سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ گویا اس کا اصل مفہوم اور معنی یہ ہو گا کہ یہ دین حق غالب ہو جائے پورے جنس دین پر' پورے نظام زندگی پر اللہ کا نظام اس شان سے قائم ہو جائے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس سے مستثنیٰ نہ رہے۔ اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدل و قسط زندگی پر بحیثیت ایک وحدت اور ایک "organic whole" کے نافذ و غالب ہو جائے۔ یہ ہے مقصد محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا۔

"دین" اور "مذہب" میں فرق

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ لفظ "مذہب" اور لفظ "دین" میں مفہوم کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر اسلام کو مذہب کہا جاتا ہے' لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں اور حدیث کے پورے ذخیرے میں اسلام کے لئے مذہب کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا' بلکہ اس کے لئے ہمیشہ "دین" ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا گیا: ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ کہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔ دین اور مذہب میں بنیادی فرق کو سمجھ لیجئے! مذہب ایک جزوی حقیقت ہے۔ یہ صرف چند عقائد (dogma) اور کچھ مراسمِ عبودیت (rituals) کے مجموعے کا نام ہے۔ جبکہ دین سے مراد ہے ایک مکمل نظام جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔ گویا مذہب کے مقابلے میں دین ایک بڑی اور جامع حقیقت ہے۔ اس پس منظر میں اگرچہ یہ کہنا تو شاید درست نہ ہو گا کہ اسلام مذہب نہیں ہے' اس لئے کہ مذہب کے جملہ elements بھی اسلام میں شامل ہیں' اس میں عقائد کا عنصر بھی ہے' ایمانیات ہیں' پھر اس کے مراسم عبودیت ہیں' نماز' روزہ ہے' حج اور زکوٰۃ ہے' چنانچہ صحیح یہ ہو گا کہ یوں کہا جائے کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں' ایک دین ہے۔

اس میں جہاں مذہب کا پورا خاکہ موجود ہے وہاں یہ ایک مکمل نظامِ زندگی بھی ہے۔ بلکہ اصلاً یہ دین ہے۔

اب اس حوالے سے ایک اہم حقیقت پر غور کیجئے! کسی ایک خطۂ زمین میں مذاہب تو بیک وقت بہت سے ہو سکتے ہیں' لیکن دین ایک وقت میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نظام تو ایک ہی ہو گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سرمایہ درانہ نظام اور اشتراکی نظام کسی خطۂ زمین پر یا کسی ایک ملک میں بیک وقت قائم ہوں! حاکمیت (Sovereignty) تو کسی ایک ہی کی ہو گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ملوکیت اور جمہوریت دونوں بیک وقت کسی ملک میں نافذ ہو جائیں۔ نظام ایک ہی رہے گا۔ اللہ کا نظام ہو گا یا غیر اللہ کا ہو گا۔ نظام دو نہیں ہو سکتے' جبکہ ایک خطۂ زمین میں مذاہب بیک وقت بہت سے ممکن ہیں[1] ہاں نظاموں کے ضمن میں ایک امکانی صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ ایک نظام غالب و برتر ہو' اور وہی حقیقت میں "نظام" کہلائے گا' اور دوسرا نظام سمٹ کر اور سکڑ کر ایک مذہب کی شکل اختیار کر لے اور اس کے تابع زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ ہے درحقیقت ایک امکانی حالت! میرا ذہن منتقل ہوا علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف کہ ؎

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی!

دین کب مذہب کی شکل اختیار کرتا ہے؟

دین جب مغلوب ہوتا ہے تو ایک مذہب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس صورت میں وہ دین نہیں رہتا' بلکہ مذہب بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ اسلام کے دورِ عروج میں غالب نظام تو اسلام کا تھا' لیکن اس دین کے تابع یہودیت' مجوسیت اور نصرانیت مذاہب کی حیثیت سے برقرار تھے۔ انہیں یہ رعایت دی گئی تھی اور صاف الفاظ میں سنا دیا

---

[1] یہ بات اس حقیقت سے بہت مشابہ ہے جو ایک کہاوت کے طور پر بیان کی جاتی ہے کہ دس درویش ایک گدڑی میں گزارا کر سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک سلطنت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے!

گیا تھا کہ اگر وہ اسلامی حدود کے اندر رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا ہو گا اور چھوٹے بن کر رہنا ہو گا ﴿ یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾ (التوبۃ : ۲۵) ملکی قانون (law of the land) اللہ کا ہو گا' غالب نظام اللہ کا ہو گا' اس کے تحت اپنے پرسنل لاء میں اور اپنی ذاتی زندگی میں محدود سطح پر وہ اگر اپنے مذاہب اور اپنے عقائد و رسوم کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیں تو اس کی انہیں اجازت ہو گی۔ اسلام کے دورِ زوال و انحطاط میں یہ صورت برعکس ہو گئی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس برصغیر میں دین انگریز کا تھا' law of the land اس کا تھا۔ دینِ انگریز کے تحت اسلام نے سمٹ کر ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی تھی کہ نمازیں جیسے چاہو پڑھو' انگریز کو کوئی اعتراض نہ تھا' اذانیں بخوشی دیتے رہو' وراثت اور شادی بیاہ کے معاملات بھی اپنے اصول کے مطابق طے کر لو' لیکن ملکی قانون انگریز کی مرضی سے طے ہو گا۔ یہ معاملہ تاجِ برطانیہ کی sovereignty کے تحت ہو گا' اس میں تم مداخلت نہیں کر سکتے! یہ تھا وہ تصور جس کے بارے میں اقبال نے بڑی خوبصورت پھبتی چست کی تھی ؎

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

یعنی اسلام آزاد کہاں ہے؟ وہ سمٹ سکڑ کر اور اپنی اصل حقیقت سے بہت نیچے اتر کر ایک مذہب کی شکل میں باقی ہے! اللہ اللہ اور خیر سلا۔

نفاذِ دین کے بغیر اتمامِ حجّت ممکن نہیں!

دین ہے ہی وہ کہ جو غالب ہو۔ اگر مغلوب ہے تو وہ دین نہیں رہے گا' بلکہ ایک مذہب کی صورت میں سمٹ جائے گا' اور سکڑ جائے گا' اس کی اصل حیثیت مجروح ہو جائے گی۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نظامی بھی اگر صرف نظری اعتبار سے پیش کیا جا رہا ہو' صرف کتابی شکل میں نسلِ انسانی کو دیا گیا ہو تو وہ ایک خیالی جنت (utopia) کی شکل تو اختیار کر سکتا ہے' لیکن حجت نہیں بن سکتا۔ نوعِ انسانی پر حجت وہ صرف اس وقت بن سکتا ہے جب اسے قائم کر کے' نافذ کر کے اور چلا کر دکھا دیا

جائے۔ یہ ہے بعثت نبویؐ کی وہ امتیازی شان اور کٹھن ذمہ داری جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر عائد ہوئی کہ آپؐ جو دین حق دے کر بھیجے گئے ہیں اسے پورے نظامِ زندگی پر غالب و قائم اور نافذ و رائج فرمادیں۔ ایک حدیث مبارک میں اس حقیقت کو یوں تعبیر فرمایا گیا کہ ((لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا)) تاکہ اللہ کی بات ہی سب سے بلند ہو' اس کی مرضی سب سے بالاتر ہو اور اس کا جھنڈا سب سے اونچا ہو جائے۔

سورۃ المدّثر میں اس اہم مضمون کو دو الفاظ میں سمو لیا گیا ہے ﴿ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ ﴾ کہ اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ) کھڑے ہو جاؤ! کمر بستہ ہو جاؤ' اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا آغاز کرو! اور اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ انذار۔ خبردار کرو' اُن نیند کے ماتوں کو جگاؤ' جو بھول گئے ہیں اس حقیقت کو کہ اصل زندگی موت کے بعد ہے ﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ "اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے' کاش کہ انہیں معلوم ہوتا"۔ یہ ہے نبیؐ کے مشن کا نقطۂ آغاز! اور اس کا ہدف مقصود اور اس کی غایت قصویٰ کیا ہے؟ ﴿ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ﴾ "اور اپنے رب کو بڑا کرو!" تکبیر کے معنی صرف یہ نہیں کہ بڑائی کا اعلان یا اعتراف کر لیا جائے' زبان سے اللہ اکبر کہہ دیا جائے' بلکہ تکبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کی بڑائی نافذ کی ہو جائے' اس کی کبریائی کے اعتراف پر مبنی نظام بالفعل قائم ہو جائے' اسی کی بات سب سے اونچی اور اسی کا حکم سب سے بالا ہو۔ یہ ہے تکبیر رب کا حقیقی مفہوم! علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں تکبیر رب کے اس انقلابی تصور کو شعر کا لبادہ اوڑھایا ہے ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدا مست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

اسی مضمون کو کسی قدر ظریفانہ انداز میں یوں بیان کیا ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

تکبیرِ رب کا کچھ یہی مفہوم حضرت مسیح علیہ السلام کے ان الفاظ میں بھی سامنے آتا ہے کہ "اے رب! جیسے تیری مرضی آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو۔"

دینِ حق کا نفاذ انقلابی جدّوجُہد کا متقاضی ہے

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ سورۃ الصّف کی زیرِ نظر آیت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا جو مشن سامنے آتا ہے اس کا تقاضا محض دعوت و تبلیغ' بشارت و انذار یا تعلیم و تربیت سے ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ یہ ایک انقلابی مشن ہے۔ ایک نظام کو کسی معاشرے پر برپا کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ پہلے وہاں پر موجود نظام کو جڑوں سے اکھیڑا جائے۔ یہ کام خلا میں کیا جانے والا نہیں ہے۔ جہاں بھی دینِ حق کے نفاذ کی جدّوجہد کی جائے گی کوئی نہ کوئی نظام وہاں پہلے سے موجود ہو گا۔ اس باطل نظام کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں گے۔ سیادتیں اور چودھراہٹیں ہوں گی' لوگوں کے مالی مفادات ہوں گے۔ آپ جب اُس نظام کو ذرا سا چھیڑیں گے' اس کے خلاف ذرا آواز بلند کریں گے تو نہ معلوم کس کس کے کن کن مفادات پر آنچ آئے گی! چنانچہ وہ تمام قوتیں اپنے اس نظام کی مدافعت میں آپ کے خلاف متحد ہو جائیں گی کہ ؏

"نظامِ کہنہ کے پاسبانو' یہ معرضِ انقلاب میں ہے!"

اپنے نظام کو برقرار رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر وہ سب مجتمع ہو کر آپ کے خلاف صف آراء ہو جائیں گے۔ تصادم' کشمکش اور جہاد و قتال کا مرحلہ لازماً آکر رہے گا۔ چنانچہ اس مقصد بعثت کے اعتبار سے جو سورۃ الصف کی اس آیت میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لئے معین ہوا ہے' انقلابی جدّوجُہد لازم اور ناگزیر ہے۔ یہ محض دعوت و تبلیغ سے ہونے والی بات نہیں!

اگرچہ سورۃ الجمعہ کے حوالے سے اگلے درس میں یہ بات آئے گی کہ اس انقلابی جدّوجہد کا منہج اساسی یقیناً دعوت و تبلیغ ہے' اس کے ابتدائی مراحل میں یقیناً تعلیم بھی

ہے' تربیت بھی ہے اور تزکیہ بھی ہے' لیکن ان ابتدائی اور اساسی مراحل سے بلند تر سطح پر ایک انقلابی جدوجہد بھی ناگزیر ہے۔ ایک تصادم کہ جس میں کشت و خون کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں جہاں ہمیں دعوت و تبلیغ کا مرحلہ نظر آتا ہے وہاں جہاد و قتال کے مراحل بھی آئے۔ حنین کی وادی میں آپؐ یہ رجز پڑھتے ہوئے اپنے لشکر کی کمان کرتے اور آگے بڑھتے نظر آتے ہیں "اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ' اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" یہ وہ بات ہے جو اُن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی جنہوں نے حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کی اس منفرد اور امتیازی شان کو نہیں سمجھا کہ آپؐ صرف داعی اور مبلغ نہ تھے' آپؐ محض مبشر اور نذیر نہ تھے' آپؐ صرف مزکی' مربی اور معلم نہ تھے' آپؐ تاریخ انسانی کے عظیم ترین انقلاب کے داعی اور نقیب بھی تھے۔ کون انکار کر سکتا ہے اس حقیقت سے کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا' جس نے زندگی کے ہر گوشے کو بدل کر رکھ دیا۔ ایسا ہمہ گیر انقلاب جس نے لوگوں کے افکار بدلے' عقائد بدلے' نظریات بدلے' کردار بدلے' حتیٰ کہ لوگوں کے شب و روز کے انداز اور نشست و برخاست کے طریقے بدل گئے۔ وہ قوم کہ جس کے اندر کوئی کسی کی بات سننے والا نہ تھا' انتہائی منظم قوم بن گئی۔ اس معاشرہ نے کہ جہاں پڑھنے لکھنے والے لوگ انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھے' دنیا کو معلم فراہم کیے۔ نبی اکرم ﷺ نے نوعِ انسانی کو ایک نئی تہذیب اور ایک نیا تمدن عطا کیا۔ بلاشبہ یہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کا یہ پہلو کہ آپؐ عظیم داعی انقلاب تھے' درحقیقت آپؐ کے اس فرضِ منصبی کا تقاضا ہے جو اِن الفاظ مبارکہ میں بیان ہوا ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

"اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری!"

مہاتما گاندھی کے بارے میں غالباً جارج برنارڈ شا نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے کہ :

"He is a saint among politicians and a politician among saints"

اگرچہ ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" کے مصداق ان الفاظ کی یا ان جیسے الفاظ کی

کوئی دُور کی نسبت بھی آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نہیں ہو سکتی۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ نبویؐ کے فہم کے لئے شاید اگر یوں تعبیر کیا جائے تو بات غلط نہ ہو گی کہ :

"He was a revolutionary among prophets and a prophet among revolutionaries"

یعنی نبیوں اور رسولوں میں آپؐ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپؐ ایک عظیم انقلابی رہنما ہیں' اور انقلابی رہنماؤں میں آپؐ کی منفرد شان یہ ہے کہ آپؐ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپؐ نے صرف دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کیا بلکہ اس دعوت کی بنیاد پر ایک انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے سے کام کا آغاز کیا اور کل ۲۳ برس میں اس جدوجہد کو ایک نظام کے باقاعدہ قیام اور باضابطہ نفاذ کے تکمیلی مرحلے تک پہنچا دیا۔ اگرچہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس جدوجہد میں آپؐ کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑا جو کسی بھی انقلابی جدوجہد میں آتے ہیں۔ زمین پر قدم بقدم چل کر حضور ﷺ نے وہ مرحلے طے کیے۔ آپؐ کو فقر و فاقے کی صعوبت بھی برداشت کرنا پڑی' شعبِ بنی ہاشم میں تین سال کی قید کو ذہن میں لائیے کہ جس میں وہ وقت آیا کہ فقر و فاقے کی شدت سے بنی ہاشم کے دودھ پیتے بچے بلک رہے تھے اور ان کے کھانے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی' سوائے اس کے کہ سوکھے چمڑوں کو اُبال کر اس کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ طائف میں شدید پتھراؤ کا آپ ﷺ کو سامنا کرنا پڑا۔ مکے کی گلیوں میں آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ یہ منظر بھی چشمِ فلک نے دیکھا کہ آپ ﷺ سربسجود ہیں اور ایک شقی انسان عقبہ بن ابی معیط ابوجہل کے کہنے سے اٹھتا ہے اور اونٹ کی نجاست بھری اوجھری لا کر شانۂ مبارک پر رکھ دیتا ہے۔ پھر غارِ ثور کا مرحلہ بھی آیا۔ میدان بدر کا وہ نقشہ بھی ذہن میں لائیے کہ اللہ کا رسولؐ دونوں لشکروں کے درمیان گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی میں سربسجود ہے اور اللہ سے گڑگڑا کر نصرت کی درخواست کر رہا ہے۔ پھر اُحد کا سخت مرحلہ بھی آیا۔ آپؐ کے دندان مبارک شہید اور چہرۂ انور لہولہان ہو گیا ہے۔ آپؐ پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہو جاتی ہے۔ آپؐ کے

انتہائی جاں نثار ساتھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کا لاشہ بے گور و کفن پڑا ہے کہ جسم پر موجود چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر کو ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کو ڈھانپتے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اسی میدانِ اُحد میں آپؐ کے انتہائی قریبی عزیز حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا اعضاء بریدہ لاشہ پڑا ہوا ہے۔ حضور ﷺ کے قلبِ مبارک کی جو کیفیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچنے پر جب آپؐ نے دیکھا کہ گھر گھر سے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں 'شہداء پر اُن کی رشتہ دار خواتین بین کر رہی ہیں' تو حضور ﷺ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ آ گئے : ((اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهُ)) "ہائے حمزہ کے لئے تو کوئی رونے والی بھی نہیں۔" یہ تمام صدمے حضور ﷺ نے دیکھے اور یہ سب سختیاں جھیلی ہیں 'تب یہ انقلاب آیا ہے۔ گویا ؎ "اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری" کے مصداق اس عظیم انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم ﷺ کو اِن تمام مراحل اور مشکلات و موانع کا سامنا کرنا پڑا جو دنیا کی کسی بھی انقلابی جدّوجہد میں پیش آتے ہیں۔ بہرکیف یہاں صرف اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ بعثت محمدیؐ کی یہی امتیازی شان ہمارے سامنے رہنی چاہئے جو اس آیت میں بیان ہوئی کہ : ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ پورے کے پورے دین (نظامِ اطاعت) پر اس دینِ حق کو غالب و قائم کر دینا یہ ہے بعثت محمدیؐ کی غرض وغایت!

دو چشم کشا واقعات

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ یہ چیز بعثت انبیاء کے اساسی مقصد سے جدا نہیں ہے۔ دیکھئے' بعثت انبیاء کا اصل مقصد نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت ہے۔ اور یہ اسی اتمامِ حجت کا تکمیلی مرحلہ ہے کہ انسان کو اجتماعی نظام کے ضمن میں رہنمائی کے لئے عدل و قسط پر مبنی نظام کا ایک مکمل نمونہ دکھا دیا جائے۔ صرف نظری سطح پر پیش کر دینے سے وہ حجت مکمل نہیں ہو گی' بلکہ اتمامِ حجت کے لئے ضروری ہو گا کہ اس نظام کو بالفعل قائم و نافذ کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا جائے۔ اس معاملے کی اہمیت کا حوالہ رواں صدی کے دو واقعات کے

حوالے سے کیا جا سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں پہلی بار مختلف صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں بنی تھیں اُس وقت یاد ہو گا کہ گاندھی نے اپنے کانگریسی ساتھیوں اور زعماء کے سامنے ایک عجیب بات کہی تھی' اور وہ یہ کہ "میں اس موقع پر تمہارے سامنے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی مثال رکھتا ہوں' اس مثال کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو!" غور کیجئے گاندھی نے یہ بات کیوں کہی! اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس عہدِ جدید کے انسان کو جس نوع کے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اس نظام کا ایک کامل نقشہ اور ایک مکمل ماڈل اگر درکار ہے تو اس کی نظیر تاریخ انسانی میں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے دورِ خلافت راشدہ' یعنی وہ نظامِ عدلِ اجتماعی جو قائم فرمایا تھا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

ایک دوسرا واقعہ جو اس کے دوسرے رُخ پر روشنی ڈال رہا ہے' مولانا عبید اللہ سندھی کے حوالے سے ہے۔ اس واقعے سے دین حق کے قیام و نفاذ کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ مولانا سندھی جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی ریشمی رومالوں کی تحریک کے سلسلے میں ہندوستان چھوڑ کر افغانستان گئے' اور جب افغانستان سے بھی گرفتاری کے خطرے کے پیش نظر سرحد عبور کر کے انہیں روس جانا پڑا تو اُس وقت بالشویک انقلاب ابھی نیا نیا آیا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس موقع پر انقلاب کے مرکزی رہنماؤں کے سامنے اگر اسلام کا انقلابی پروگرام رکھا جائے تو کیا عجب کہ وہ اس کو قبول کر لیں' ابھی ان میں انقلابی جذبہ بھی ہے اور انقلاب کے نقطۂ نظر سے فضا سازگار بھی ہے۔ چنانچہ اس امید میں انہوں نے لینن سے بات کرنا چاہی' لیکن لینن بستر مرگ پر تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ ٹراٹسکی سے بات کیجئے' چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی کی ٹراٹسکی سے مفصل گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے آخر میں اس نے پوچھا کہ مولانا! یہ نظام جو آپ پیش کر رہے ہیں بظاہر بہت عمدہ معلوم ہوتا ہے' لیکن کیا آپ نے دنیا میں کہیں اسے قائم بھی کیا ہے؟ مولانا عبید اللہ سندھی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری نگاہیں زمین میں گڑی کی گڑی رہ گئیں' دوبارہ میں اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکا۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی نظام حجت تب بنتا ہے جب اسے چلا کر دکھا دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اتمامِ حجت کو اپنے تکمیلی درجے تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے جہاں نظری' فکری اور اعتقادی ہدایت دی' انسان کی سوچ کو صحیح رخ پر

ڈالا' جہاں آپؐ نے انفرادی اخلاق کے ضمن میں انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ایک مکمل ہدایت نامہ عطا فرمایا' خود اپنی سیرت و کردار اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کو اس رخ پر ڈھال کر انفرادی اخلاق کے ضمن میں ہمیشہ ہمیش کے لیے نوع انسانی پر حجت تمام کی' وہاں آپؐ نے ایک جاں گسل جدوجہد کے ذریعے تیئس سالہ محنتِ شاقہ کے نتیجے میں اس نظامِ عدل و قسط کو عملاً برپا کر دیا جس میں انفرادی آزادی بھی ہے' لیکن اجتماعیت کے حقوق بھی پورے طور پر محفوظ ہیں' جس میں مساواتِ انسانی بھی ہے' لیکن وہ freedom کی cost پر نہیں کہ مساوات تو ہو لیکن انسان شخصی آزادی سے یکسر محروم کر دیا جائے' بلکہ یہ دونوں اعلیٰ اقدار اس نظام میں بیک وقت موجود ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس اعلیٰ قدر کا تصور کرے گا اسے وہ اس نظام میں موجود پائے گا۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفٰے اُو را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفٰے ست

یہ ہے اصل کارنامہ حیاتِ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا جس کو سمجھنے کے لئے حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کی اس امتیازی شان کا فہم ضروری ہے جو اس آیۂ مبارکہ میں وارد ہوئی : ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

قرآن اکیڈمی کراچی کا نیا ای میل ایڈریس

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ قرآن اکیڈمی کراچی کا نیا ای میل ایڈریس درج ذیل ہے :

quran@khi.fascom.com

عالمی سیاست اور علّامہ اقبال کی پیشین گوئیاں

تحریر : محمد ندیم صدیقی

امریکہ، یورپ اور معاشی طور پر آسودہ ممالک ایک نئے عہد میں داخل ہو رہے ہیں جسے "عہدِ اطلاع" (Information age) اور مابعد صنعت دَور (Post-industrial era) کا نام دیا گیا ہے۔ مستقبل دان الون ٹوفلر نے اس پیش رفت کو تیسری لہر (Third Wave) کا نام دیا ہے[1]۔ بقول اس کے پہلی لہر نے انسان کو شکار اور غذا کی تلاش میں سرگرداں حیوان کے دائرے سے نکال کر کاشت کار کے درجے تک پہنچایا، جس میں اس نے زمینوں کو آباد اور بستیوں کو بسانا شروع کیا، اور خانہ بدوشی کی زندگی ختم کی۔ پھر دوسری پیش رفت زرعی معاشرے سے صنعتی معاشرے کی طرف ہوئی، جب کارخانے اور بڑے بڑے شہر وجود میں آئے اور مشینی دَور نے رسل و رسائل میں انقلاب پیدا کر کے "صنعتی انقلاب" کی طرح ڈالی۔ اور اب ہم تیسری لہر کے شانے پر ہیں، جو ایک بالکل نئی معاشرت اور نئے طرزِ فکر کو جنم دے رہی ہے۔ وہ آگے رقم طراز ہے کہ اب صنعتی معاشرے کے بجائے "اطلاعی معاشرہ" جنم لے رہا ہے۔ اطلاعات کی جلد اور باسہولت ترسیل آسان سے آسان تر ہوتی جا رہی ہے، اور اس کے ساتھ ہی قومی حدود اور مقامی ثقافتوں کی حد بندیاں شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہوتی جا رہی ہیں، اور وہ ہے "اطلاعی معاشرہ"۔ گویا ایک بالکل نئی دنیا (جہانِ نو) ظہور پذیر ہو رہی ہے، جس کے خدوخال سے ہمارے آباء و اَجداد واقف نہ تھے اور اس کا شعور ہمیں بھی رفتہ رفتہ ہی ہو رہا ہے۔

فرانسس فوکویاما، جو ایک جاپانی نژاد امریکی ماہر عمرانیات ہے، دنیا کے اس بدلتے ہوئے موسم پر گہری نظر رکھتا ہے۔ حال ہی میں اس کی تازہ تصنیف "انتشارِ عظیم" (The Great Disruption شائع کردہ : پروفائل بکس لندن، 1999ء) نے ایک

مرتبہ پھر سماجیات' سیاسیات' معاشیات اور بین الاقوامی تعلقات کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ جس اطلاعی معاشرے کی ہم بات کر رہے ہیں فوکویاما بھی اس کے منصۂ وجود میں آنے سے کچھ پریشان محسوس ہوتا ہے' مگر وہ خود اعتماد بھی ہے۔

فوکویاما کے نزدیک "اطلاعی معاشرہ" دو ایسے رجحانات کا سبب بنتا ہے جنہیں آج کے نام نہاد جمہوری دَور میں لوگ بہت اہمیت دیتے ہیں : (یعنی) آزادی اور مساوات۔ فوکویاما آگے چل کر آزادی و مساوات کے نتیجہ میں امریکہ' یورپ اور ترقی یافتہ ممالک میں فرد' خاندان اور معاشرہ میں پیدا ہونے والے انتشار و انحطاط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "بیسویں صدی کے نصف آخر میں شروع ہونے والی یہ تبدیلیاں تدریجی نہیں بلکہ ڈرامائی انداز کی تھیں (اور ان کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے) اور اگرچہ گزشتہ دو ڈھائی صدیوں سے صنعتی انقلاب کے بعد ہی سے سماجی شکست و ریخت کا عمل (جسے اقبال نے ؎

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات!

قرار دیا تھا) محسوس طور پر نظر آنے لگا تھا' تاہم بیسویں صدی کے نصف آخر میں صنعتی ملکوں میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا یہ عمل اس تیزی کے ساتھ واقع ہوا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اقدار کی اس شکست و ریخت اور معاشرے کے اس انتشار کو وہ "انتشارِ عظیم" (The Great Disruption) کا نام دیتا ہے۔

فوکویاما کے نزدیک ترقی یافتہ امریکی و یورپی معاشروں' معاشرتی اقدار اور خاندان کے نظام کی تباہی کی بڑی وجہ مادر پدر آزادی و مساوات کا وہ نعرہ ہے جس کے تحت فرد کو ہر طرح کی گھٹن پیدا کرنے والی' غیر ضروری سماجی قیود و حدود سے آزاد ہونا چاہئے۔ مغرب میں 1960ء کے عشرے سے شروع ہونے والے جنسی انقلاب "حریت نسواں" کی تحریک' مرد اور عورت کے لئے جنس کی آزادی کی تحریک اسی "آزادی کے مرض" کی علامتیں ہیں' جن کا نعرہ ہے لاقیود (No limits) [۲] ۔ اپنی تازہ تصنیف (1999ء) میں اسے تشویش اس بات پر ہے کہ موجودہ جمہوری نظام آزادی کے نتیجے میں حد سے

متجاوز انفرادیت اور خود غرضانہ رویوں کی طرف لے جا رہا ہے اور اس کے سب سے بڑے مظاہر امریکہ میں نظر آتے ہیں جو سب سے زیادہ "فرد دوست" جمہوریت ہے [۳] ۔ فوکویاما اپنے تجزیہ میں کہتا ہے کہ موجودہ جمہوری نظام میں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرح وجود میں آنے والے سیاسی نظام کے لئے ضروری نہیں کہ لوگ فضائل اخلاق سے متصف ہوں (یعنی اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوں)۔ اور انفرادی آزادی' فرد اور انفرادیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کا نتیجہ اجتماع کے۔ زوال کا باعث بنتا ہے۔ معاشرہ مشترکہ اقدار' اجتماعی ضمیر اور اجتماعی آرزوؤں' امنگوں اور مقاصد سے وجود میں آتا ہے۔ یہ مشترک اقدار جتنے مضبوط ہوں گے معاشرتی بندھن بھی اس قدر مستحکم ہوں گے۔ ماں باپ اور اولاد کا رشتہ جس کے استحکام پر اسلام سب سے زیادہ زور دیتا ہے' مغرب میں بہت کمزور ہو چکا ہے۔ اسی طرح روایتی ازدواجی تعلق کے بجائے "ساتھ رہنے" کا رواج بڑھتا جا رہا ہے [۴] ۔ وہ معاشرہ جو اپنی فنیاتی اور تکنیکی اختراع اور تازہ کاری (Technological innovation) میں "لاقیود" کا نعرہ لگاتا ہے' ذاتی رویوں کی بہت سی صورتوں میں ہر قید و بند سے آزاد ہو جانے کا رجحان رکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں مآل کار جرائم میں اضافے' خاندان کی ٹوٹ پھوٹ' والدین کا اپنے بچوں کی ذمہ داریوں سے دست کش ہو جانا' ہم سایوں کی باہمی بے اعتنائی اور عدم دلچسپی اور شہریوں کا عوامی مسائل سے لاتعلق ہو جانا بھی وہ اثرات ہیں جو فی الواقع ہو کر رہتے ہیں [۵] ۔

وہ کہتا ہے کہ سماجی اقدار کی تباہی کے بعد لازمی طور پر ان کی تعمیر نو کا ایک نیا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اور اسے اس کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں۔ اس کے خیال میں ایسا ہونا لازمی بھی ہے۔ انسان بنیادی طور پر ایک سماجی مخلوق ہے۔ انسانوں کی بنیادی جبلّتیں اور محرکات انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس کے لئے کچھ اخلاقی قواعد و ضوابط تشکیل دیں جو انہیں باہم جوڑ کر رکھیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ انسان ایک عاقل مخلوق ہے اور یہ اس کی عقل ہی ہے جو اسے اپنی نوع کے دوسرے افراد سے تعاون کے نت نئے طریقے سمجھاتی اور بجھاتی ہے [۶] ۔ تاہم انسان کو اپنی نجات

کے لئے اپنی عقل، فہم اور تجربات سے ماورا کسی اور مابعد الطبیاتی یا مذہبی ہدایت اور رہنمائی کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ (۷)

الون ٹوفلر اور فوکویاما کے افکار کا تجزیہ کرنے سے یہ نکات سامنے آتے ہیں :

(۱) دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے جسے تیسرا دور یا تیسری لہر کا نام دیا گیا ہے۔ اس جہانِ نو کو اطلاعی معاشرہ قرار دیا گیا ہے جس میں دنیا سکڑ کر ایک عالمی گاؤں (Global village) بن گئی ہے۔

(۲) تہذیب حاضر زوال کی طرف مائل ہے۔ لاقیود آزادی اور مساوات کا نعرہ مغرب کے سیاسی اور معاشرتی نظام کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار ہے۔

(۳) انسان ایک سماجی اور عاقل مخلوق ہے، اس لئے وہ اس بحران سے نکلنے کے لئے اپنی عقل و فہم اور تجربات کو استعمال کرے اور مذہب سے لاتعلق رہے۔

یہ ہمارا احساسِ کمتری ہے کہ مغرب کا کوئی بھی دانشور یا رہنما کوئی بات کہتا ہے تو ہم اسے بڑی توجہ دیتے ہیں اور اس کے افکار و خیالات کو بلا کسی حیل و حجت حرفِ آخر تسلیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً فرانس کے مشہور منجم اور شاعر نوسٹراڈیمس (1503ء-1566ء) کو ہم دنیا کا عظیم ترین منجم تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ اس کی حیات میں اس کی بعض پیشین گوئیاں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں تھیں۔ اس نے دنیا کے مستقبل کے بارے میں اپنی پیشین گوئیوں کو اشعار کی شکل میں پیش کیا۔ اس کا یہ مجموعہ کلام یکم مارچ 1555ء کو شائع ہوا۔ حال ہی میں اس کے اشعار میں دنیا کے مستقبل کے بارے میں کی گئی پیشین گوئیوں کو پاکستان سمیت عالمی میڈیا نے بہت اہمیت دی اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نوسٹراڈیمس ہی دنیا کا عظیم ترین شاعر اور مستقبل دان تھا، باوجودیکہ اس کی کتاب کو شائع ہوئے ساڑھے چار سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن کسی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس کا اصلی مجموعہ کلام تھا یا نہیں؟ کسی نے اس بارے میں کوئی سند نہیں مانگی، کسی نے نہیں پوچھا کہ اس کی عملی زندگی کتنی پاکیزہ تھی؟ کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ اس کی پیشین گوئیوں کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق معنی و مفہوم دے کر اسے عظیم ترین دانشور اور شاعر بنا کر کیوں پیش کیا جا رہا ہے؟ لیکن اگر کوئی

مسلمان دانشور، شاعر یا اسکالر دنیا کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات و افکار پیش کرے تو اس پر فوراً انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور اسے وہ مقام نہیں دیا جاتا جو مغربی علماء کو بلاچون وچرا دے دیا جاتا ہے۔ اس متعصبانہ رویہ کا اظہار مغربی میڈیا میں شدّت سے نظر آئے گا، لیکن مسلم میڈیا بھی کسی نہ کسی حد تک اس جرم کا مرتکب ہو تا رہا ہے۔

حکیم الامت، شاعر مشرق حضرت ڈاکٹر سر علامہ شیخ محمد اقبال ایک سچے عاشقِ رسولؐ اور مردِ مؤمن تھے، جس کا اظہار اُن کی عملی زندگی اور افکار سے ہوتا ہے۔ وہ پوری امت کا درد اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اقبال کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں میں صالح سوچ رکھنے والے مسلم و غیر مسلم دانشور رہنما، علماء کرام اور اسکالر سب ہی شامل ہیں۔ صدی کی عظیم تحریک اسلامی کے قائد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اقبال کی شخصیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

"مغربی تعلیم و تربیت کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔"

آگے مولانا مودودی رقم طراز ہیں کہ :

"اقبال کو قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، نماز بھی بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے، مگر چھپ کر۔ ظاہر میں یہی اعلان تھا کہ نراگفتار کا غازی ہوں۔"(۸)

رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ "مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" اور اقبال یہ کہتے ہیں کہ ؎

تقدیرِ امم کیا ہے ؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا!

یہ ہماری کوتاہ نظری و بدنصیبی ہے کہ ہم نے اقبال کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا جس کے

وہ مستحق تھے۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان میں ایک ایسا متعصب طبقہ بھی موجود ہے جو انہیں متنازعہ بنانے میں کسی اخلاقی حدود و قیود سے بے پروا ہو کر اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ اور بقول اقبال ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
مَیں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

اب مغربی میڈیا الون ٹوفلر اور فرانسس فوکویاما کے افکار و نظریات کا پرچار کر کے انہیں دنیا کے عظیم مستقبل دان کے طور پر پیش کر رہا ہے' لیکن اقبال پر کسی کی نظر نہیں' جس نے اپنے افکار و خیالات اسی صدی میں پیش کئے اور جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔

اقبال بانگ درا میں قیامِ یورپ (1905ء۔1908ء) کے دَوران لکھی گئی اپنی نظم میں رقم طراز ہیں کہ ؎

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا' عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا!

گزر گیا اب وہ دَور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں میخانہ' ہر کوئی بادہ خوار ہو گا!

اس شعر میں اقبال واضح طور پر آنے والے ایک ایسے دَور کی نشاندہی کر رہے ہیں جس میں کوئی بات پوشیدہ نہ رہ سکے گی' حتیٰ کہ کوئی عاشق جب چاہے گا اپنے محبوب کا دیدار کر سکے گا۔ سیٹلائیٹ' ٹی وی نشریات' ویڈیو ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کا استعمال اقبال کی پیشین گوئی کو حرف بحرف درست ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ موجودہ دَور انفارمیشن سپرہائی وے کا ہے جس کا مطلب ہے جو چاہے اس ہائی وے پر آئے' دعوت عام ہے' جس چیز کا دیدار کرنا چاہے کرے اور اگر اپنا دیدار کرانا چاہے تو یہ بھی ممکن ہے' یعنی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کا معاملہ بھی کر سکتا ہے۔ انفارمیشن سپرہائی وے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں' سب کچھ بے حجاب (naked) ہے' کیونکہ یہ شاہراہِ اطلاعات ہے' سرنگ اطلاعات (InformationTunnels) نہیں جو

انتہائی حساس معلومات کو محفوظ رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

دوسرے شعر میں اقبال اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس میں پوری دنیا سمٹ کر ایک چھوٹا سا میخانہ بن جائے گی جو ہر شخص کی دسترس میں ہو گا۔ یعنی جو کام پہلے چھپ کر کیا جاتا تھا آنے والے دَور میں مخفی نہیں رہے گا اور بُرائی کو بُرائی نہیں سمجھا جائے گا۔ ہر کوئی کسی نہ کسی سطح پر برائی میں ملوث ہو گا۔ یہاں اقبال دنیا کو سمیٹ کر ایک چھوٹا سا میخانہ (Global Bar) بنا رہے ہیں جو واضح طور پر موجودہ اطلاعی معاشرہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اب دنیا بھر میں جگہ جگہ "انٹرنیٹ کیفے" اور "انٹرنیٹ بار" کھولے جا رہے ہیں جو اقبال کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے) سیٹلائیٹ، ٹی وی نشریات اور انٹرنیٹ کی بدولت دنیا بھر کی تعمیری اور تخریبی معلومات انفارمیشن سپر ہائی وے پر "حالت بے حجابی" (OPEN AND UNSECURE STATE) میں ہر شخص کی دسترس میں ہے۔ اس طرح بقول اقبال اب کسی کو "میخانہ" کی تلاش میں اپنے وطن اور اپنے گھر سے دور جانے کی ضروت نہیں۔ اگر تھوڑا تدبر کیا جائے تو اقبال نے میخانہ کو یہاں ایک استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے جو ہمارے اردو شعراء کرام کا خاصہ رہا ہے۔ حقیقت میں یہاں میخانہ سے یہ مطلب بھی ہے کہ ایسی جگہ جہاں سے کوئی طالب اپنی کوئی ضرورت، خواہش اور طلب پوری کرے۔ یہ طلب علمی بھی ہو سکتی ہے اور مادی بھی، مثبت بھی اور منفی بھی۔ اور جب صورتحال یہ ہو کہ سارا جہاں ہی میخانہ بن جائے تو پھر وہ لوگ جو اب تک اپنی طلب کہیں دور جا کر چھپ کر پوری کر لیا کرتے تھے اب سرعام بلکہ شاہراہِ عام پر کسی بھی جگہ پوری کر سکیں گے۔ اور جب یہ حجاب ہی نہ رہے گا اور آسانی پیدا ہو گی تو "بادہ خواروں" کی تعداد بھی یقیناً بڑھے گی اور "مئے خواری" عام ہو گی۔

اسلامی بلاک اور اقبال

اقبال اُمّتِ مسلمہ کی یکجہتی اور اتحاد کے اوّلین اور سب سے بڑے داعی ہیں۔ وہ

کہتے ہیں کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر!

اقبال اسلامی بلاک کو سورج، آفتاب اور خورشید سے تشبیہہ دیتے ہیں جو ان کی نظر میں طلوع ہو رہا ہے ؎

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

بانگ درا میں اقبال فرماتے ہیں کہ ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

بالِ جبریل کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ ؎

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں!
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں!

امریکہ، برطانیہ اور اقبال

اقبال نے اپنے اشعار میں امریکہ کے لئے ستاروں کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں امریکہ ہی وہ واحد ملک ہے جس کے پرچم پر ستاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے جو اس کی ریاستوں کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ امریکہ کے لئے انہوں نے "ابلیس" کا استعارہ بھی استعمال کیا ہے (ایران میں امریکہ کے لئے "مرگ بر شیطان" کا نعرہ بھی لگایا جاتا ہے)۔ اور برطانیہ کے لئے افرنگ، افرنگی اور ابلیس کے مشیر کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ یہ پیشین گوئی بھی کرتے ہیں کہ اسلامی بلاک [جو دنیا کے نقشہ (globe) پر ایک کمان (arc) کی شکل بناتا ہے اور ابھرتے ہوئے آفتاب کی مانند نظر آتا ہے] کے آثار ظاہر ہونے کے ساتھ ہی عالمی طاقت امریکہ کا زوال (تنک تابی) شروع ہو جائے گا۔ اقبال کہتے ہیں ؎

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی

اسلامی احیاء کی تحریک اُس وقت تک مکمل نہیں ہو گی جب تک پوری دنیا سے ظلمتِ شب ختم نہ ہو جائے۔ اقبال کو اس کا اچھی طرح ادراک ہے۔ وہ مسلمانانِ ہند سے کہتے ہیں کہ برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ منزل حاصل کر لی، بلکہ ابھی برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تجھے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے امریکہ تک جانا ہے ؎

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مؤمن
قدم اُٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں!

وہ جوانوں (یہاں لفظ "جوانوں" کو پاکستان کی عسکری اصطلاح کے طور پر رائج معنی بھی دیئے جاسکتے ہیں) کی خودی کو یہ کہہ کر بیدار کرتے ہیں کہ ؎

مَحبّت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

؎ ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اقبال نوجوانوں کو بیدار کرنے کے لئے دعاگو ہیں ؎

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

؎ جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

؎ اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

امریکہ اور ابلیس

ضربِ کلیم میں نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں پانچواں مشیر ابلیس سے یوں ہم کلام ہوتا ہے ؎

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار!

امّتِ مسلمہ میں بیداری کی لہر اور اسلامی بلاک کا ظہور ہوتے دیکھ کر پانچواں مشیر ابلیس سے یوں گویا ہوتا ہے ؎

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار!
؎ فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار!

آخری شعر میں اقبال امریکہ کے واحد سپر پاور ہونے اور دنیا کے یک قطبی (unipoler) ہونے کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس شعر کے آخری مصرع میں انہوں نے ایک لفظ استعمال کیا ہے "مدار" یعنی وہ راستہ جس پر زمین گردش کرتی ہے۔ کیونکہ دنیا اب فقط امریکی قیادت و سیادت کے گرد گھوم رہی ہے اس لئے اقبال بزبانِ مشیر کہتے ہیں کہ ؎

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار!

اقبال نظم "مسجدِ قرطبہ" میں کہتے ہیں ؎

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نَو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے

لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

بال جبریل میں علامہ فرماتے ہیں ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے!
نہ ستارے میں ہے، نے گردشِ افلاک میں
تیری تقدیر مرے نالۂ بیباک میں ہے!
کیا عجب! مری نواہائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے!

اقبال بانگِ درا کی نظم "تصویر درد" میں فرماتے ہیں ؎

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے!
عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہمزبانوں میں!
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا
مرا آئینۂ دل ہے قضا ہے کہ رازدانوں میں!

حضرت اقبال کے اردو مجموعۂ کلام بانگ درا، ضربِ کلیم اور بالِ جبریل کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان کا کلام الہامی رنگ و نور میں ڈوبا ہوا ہے۔ تہذیب حاضر کے زوال، جہانِ نو کے پیدا ہونے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے بارے میں انہوں نے جو پیشین گوئیاں کیں وہ اب حرف بحرف پوری ہو رہی ہیں۔ 1930ء میں خطبہ الٰہ آباد میں اقبال برصغیر میں ایک مسلم ریاست (پاکستان) کے قیام کی پیشین گوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"ہندوستان کے شمال مغرب (پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد) میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تقدیر مبرم (DESTINY) ہے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں

ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرہ منور پر جو پردے عرب ملوکیت (ARAB IMPERIALISM) کے دور میں پڑ گئے تھے' انہیں ہٹا کر اصل اسلام (خلافت راشدہ کے نظام) کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔"

اور دنیا نے دیکھا کہ ان کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد موجودہ پاکستان جن علاقوں پر مشتمل ہے وہ علّامہ کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اقبال نے کشمیر کو پاکستان کا حصّہ بنانے کی کبھی بات نہیں کی' البتہ انہوں نے کشمیر کو سکھوں اور ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کرنے کے لئے پوری شدت سے آواز اٹھائی ؎

توڑ اُس دستِ جفا کیش کو یارب جس نے
روحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

اسی طرح آزادیٔ کشمیر کے حوالے سے برّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو اکسایا کہ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

عالمِ اسلام میں پاکستان کا کردار

پاکستان کا قیام 27 رمضان المبارک (14 اگست 1947) کو عمل میں آیا۔ یہ وہ مبارک دن ہے جس کی رات کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر سے تعبیر کیا۔ اسی رات نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔ اس کے باوجود کہ کیبنٹ مشن نے پاکستان کی آزادی کے لئے 15 اگست اور بھارت کے لئے 14 اگست کا دن مقرر کیا تھا' لیکن ہندو پنڈتوں نے یہ کہہ کر کہ 14 اگست کا دن ان کے زائچہ کے مطابق نیک شگون نہیں ہے' اس لئے 15 اگست بھارت کی آزادی کے لئے مقرر کیا جائے۔ اس طرح مشیت ایزدی سے 14 اگست کا مبارک دن پاکستان کی آزادی کے لئے مقرر ہوا۔ اسی طرح پاکستان کا قیام دنیا بھر کے لئے یہ پیغام تھا کہ دنیا میں ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آچکا ہے جو پوری دنیا میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تکمیل کے لئے قائدانہ کردار ادا کرے گی۔ علم نجوم کی رو سے پاکستان کا ستارہ برج اسد ہے۔ اور اگر موجودہ پاکستان کے نقشہ پر نظر ڈالی

جائے تو اس کی شکل ہو بہو شیر سے ملتی ہے۔ اقبال اس شیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا!

جہاد افغانستان میں پاکستان کے کردار کے نتیجہ میں سوویت یونین دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گیا اور بقول اقبال "اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود" کے مصداق سوویت یونین کی خاک سے وسط ایشیا میں آزاد مسلم جمہوریائیں نمودار ہو چکی ہیں۔ وسط ایشیا کے مسلمان جنہیں سوویت یونین کے کمیونسٹ نظام کے آہنی شکنجہ نے بہتّر سال تک اپنی گرفت میں رکھا آزاد ہو چکے ہیں اور اپنے اصل دین کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ تاجکستان' ازبکستان' تاتارستان' آذربائیجان' قازقستان اور چیشان میں احیائے اسلام کی تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی ہے۔ ستر سال قبل جب سوویت یونین میں کمیونزم کا طوطی بول رہا تھا کوئی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وسط ایشیا میں بسنے والے مسلمان دوبارہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں گے۔ لیکن اقبال کی نظر بہت دور تک دیکھ رہی تھی ؎

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی!
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!

الون ٹوفلر' فرانسس فوکویاما اور اقبال

اقبال کے ان اشعار میں وہی بات کہی گئی ہے جسے اب الون ٹوفلر اور فرانسس فوکویاما پیش کر رہے ہیں۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا!
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!

بالِ جبریل میں اپنی نظم "زمانہ" میں کہتے ہیں ؎

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہو گا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ!
قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا مشتاق ہے زمانہ!
وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ!
جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنادیا ہے قمار خانہ!
شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے! یہ جوئے خوں ہے!
طلوعِ فردا کا منتظر رہ، کہ دوش و امروز ہے فسانہ!

ضربِ کلیم میں اقبال کہتے ہیں ؎

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت

اسلامی بلاک کی تشکیل میں افغانوں کا کردار

جہاد افغانستان کے نتیجہ میں وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کو آزادی ملی اور مشرقی یورپ میں کمیونزم کا خاتمہ ہوا اور مسلم ریاستیں بوسنیا اور کوسوو کو خود مختاری ملی۔ کشمیر، شیشان اور وسط ایشیائی ریاستوں میں جہادی قوتوں نے باطل نظام کے خلاف جدّوجُہد کے لئے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کیا اور ایک اسلامی سلطنت کے قیام کی مشترکہ جدّوجہد شروع کی۔ یہ سب کچھ جہادِ افغانستان کا مرہونِ منت ہے، کیونکہ اقبال یہ کہہ گئے تھے ؎

قبائل ہوں ملّت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند!

مُلّا عمر اور اقبال

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ میرے دل میں یہ مضمون لکھنے کا خیال کیوں آیا تو اس کا جواب اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں۔ یہ اشعار ویسے تو راقم کو گزشتہ ایک عشرہ سے

ا زبر ہیں لیکن ان میں موجود لفظ "ملا" کی سمجھ اب آئی ہے۔ لہٰذا جیسے ہی ذہن میں "ملا" اور "فاقہ کش" (واضح رہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک کے دباؤ پر اقوامِ متحدہ نے افغانستان پر ہر قسم کی خوراک کی اور اقتصادی پابندی عائد کی ہوئی ہے) کا خیال واضح ہوا اس مضمون کو لکھنے کا ارادہ کرلیا۔ یہ اشعار اقبال کی نظم "ابلیس کا اپنے فرزندوں سے خطاب" سے لیے گئے ہیں ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد (ﷺ) اس کے بدن سے نکال دو!
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو!

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اقبال کے اشعار میں یہ واحد شعر ہے جس میں "ملا" کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ اقبال کے نزدیک اُس دور کے ملّا اور مجاہد میں وہی فرق تھا جو کرگس اور شاہین میں ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے کلام میں بالعموم ملا کو ہدفِ ملامت بنایا ہے ؎

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اِس دَور کے ملّا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی

اور ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن۔
ملّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور!

بھارتی طیارہ کے اغواء اور رہائی سے قبل طالبان کے خلاف مغربی و پاکستانی میڈیا میں بڑے بڑے مسلم اور غیر مسلم دانشور صحافی یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ وہ جدید تعلیم کے دشمن، جاہل اور دقیانوس لوگ ہیں۔ علامہ اقبال اس کا جواب اپنی نظم "او غافل افغان" میں یوں دیتے ہیں ؎

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اقبال اور ایٹمی طاقت کا حصول

اقبال نے دنیا میں سب سے پہلے 1923ء [۹] میں ایٹم کے انشقاق (FISSION REACTION) کے ذریعے ایٹمی طاقت کے حصول کے بارے میں بالکل واضح طور پر اپنا نظریہ پیش کیا۔ بعد میں امریکی سائنس دانوں نے اسی نظریہ پر عمل کرتے ہوئے ایٹم بم بنایا اور آئن سٹائن نے اپنے نظریہ اضافت کی مساوات E=mc2 کی تصدیق کی جس کے تحت مادہ کو حرارتی توانائی (روشنی) میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں ایشیاء میں ایک ابھرتی ہوئی سپر پاور جاپان پر ایٹم بم گرا کر جنگ جیت لی اور دنیا میں ایک سپر پاور کے طور پر اپنا لوہا منوایا۔ اس لئے پاکستانی یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں کامیابی اور سپر پاور کا مقام فکر اقبال سے استفادہ کر کے حاصل کیا۔ کیونکہ امریکہ نے 1943ء میں MANHATTON PROJECT کے تحت Dr. ROBERTOPPEN HEIMER کی قیادت میں ایٹم بم تیار کرنے والی ٹیم کی بدولت اس منصوبہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس سے قبل 1930ء میں دو امریکی سائنسدانوں (HANHN AND STRASSMAN) نے یورینیم کے ایک ایٹم پر نیوٹران کی بمباری سے انشقاق کا طریقہ دریافت کیا تھا اور دوسری مرتبہ جہادِ افغانستان کے نتیجہ میں فکر اقبال کی تعبیر پاکستان نے فکرِ اقبال سے اخذ کردہ فلسفہ خودی پر عمل کر کے امریکہ کو دنیا کی واحد سپر پاور کا مقام دلانے اور ایشیا و مشرقی یورپ کی ایک سپر پاور کے خاتمہ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کیونکہ اقبال پوری امت کے شاعر اور حکیم الامت ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کے اعزاز سے نوازا ہے جو فکر اقبال کی بدولت ہمیں نصیب ہوا۔ لہٰذا اگر اصولی طور پر دیکھا جائے تو ایٹمی طاقت پر سب سے زیادہ حق پاکستان کا ہے' کیونکہ اس طاقت کو طشت از بام کرنے کا سہرا سر اقبال کے سر ہے جو سر تا پیر پاکستانی تھے۔ اس لئے امریکہ سمیت تمام ایٹمی ممالک کو اقبال اور پاکستان کا شکر گزار ہونا چاہئے جس کی بدولت وہ آج ایٹمی طاقت ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر توانائی کے شعبہ میں خود کفیل ہو گئے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ مادہ (matter) اور روشنی (نور) کی ماہیت (nature)

یکساں ہے' یعنی اگر مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے (atom) کے مرکزہ (نیوکلیس) جسے اقبال ذرہ (ایٹم) کے دل سے تشبیہ دیتے ہیں' کو عمل انشقاق کے ذریعے سے توڑا جائے تو اس میں سے بھی وہی حرارتی توانائی اور روشنی (لہو) نکلتی ہے جو سورج (خورشید) سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں روشنیاں یکساں خصوصیات کی حامل ہیں۔ یہ بات سائنسی طور پر ثابت شدہ ہے کہ سورج کے اندر ہر لحہ عمل انشقاق کی بدولت عمل ایتلاف (FISSION REACTION) جاری ہے جس کے نتیجہ میں ہائیڈروجن کے دو بھاری ایٹم مل کر ہیلیئم کا ایک ایٹم بناتے ہیں جس کے نتیجہ میں بے انتہا حرارتی توانائی خارج ہوتی ہے جو سورج کی روشنی کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں ؎

حقیقت ایک ہے ہر شے کی' خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اسی طرح Kinetic Molecular Theory جو یہ بتاتی ہے کہ کائنات کی اکائی ایٹم اور مالیکیول ہمیشہ حالت حرکت میں رہتے ہیں (حتیٰ کہ وہ درجہ حرارت جسے مطلق صفر (absolute zero) یعنی منفی 273 ڈگری سینٹی گریڈ کہا جاتا ہے اور جس پر ہر مادی شے نظریاتی طور اپنا وجود کھو دیتی ہے' یعنی اس کا حجم صفر ہو جاتا ہے' اس درجہ حرارت کے قریب پہنچ کر بھی وہ معمولی ارتعاش کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں) کائنات میں مطلق سکون (absolute rest) کا وجود نہیں۔

آج کے جدید سائنسی دور میں اسی نظریہ کی بدولت دنیا سپر کنڈکٹر بنانے کے قابل ہو سکی' جس کی وجہ سے کسی بھی بجلی اور حرارت کے موصل کی مزاحمت (resistance) جو اس کے ایٹموں اور مالیکیولوں کی حرکت کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہے' اس حرکت کو کم کر کے مزاحمت کو بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح توانائی کا کم سے کم ضیاع ہوتا ہے۔ جدید فزکس میں حرکیات (THERMO DYNAMICS) کی بنیاد اسی حرکی نظریہ پر ہے۔ اقبال حرکی نظریہ کے بارے میں کہتے ہیں ؎

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

بانگِ درا میں نظم "چاند اور تارے" میں کہتے ہیں ؎

بیتاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے!

اقبال جدید سائنس کے عالم یا ماہرِ علم نجوم نہیں تھے، لیکن انہوں نے اپنے فلسفۂ خودی پر عمل کرتے ہوئے فلسفہ و ادب اور سائنسی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہ مسلمانوں کو بھی یہی پیغام دیتے ہیں کہ ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!

؎ وہی جہاں ہے ترا جس کو تُو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے!

؎ اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

؎ اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر!

؎ مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے!
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر!

؎ نہ ہے ستارے کی گردش، نہ بازیٔ افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ!

؎ کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی!

اور ہم اپنے مضمون کا اختتام ان اشعار سے کرتے ہیں۔ شاعرِ مشرق حضرت علامہ ڈاکٹر محمد

اقبال نے بانگِ درا میں کہا تھا ؎

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ!
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تُو اس خواب کی تعبیر دیکھ!
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ!
کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں!
آنے والے دَور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!!

حواشی

(۱) آلون ٹوفلر : Third Wave' 1980

(۲) فوکویاما' The Great Disruption ص ۱۳

(۳) فوکویاما' The Great Disruption ص ۱۰

(۴) فوکویاما' The Great Disruption ص ۴۱

(۵) فوکویاما' The Great Disruption ص ۷

(۶) فوکویاما' The Great Disruption ص ۲۷۹۔۲۸۲

(۷) حوالہ : ترجمان القرآن' مارچ ۲۰۰۰ء

(۸) جوہر اقبال ص ۳۷۔۳۹ بحوالہ 'اقبال کامل از مولانا عبدالسلام ندوی'' ص ۶۰

(۹) حوالہ تاریخ : اقبال کامل از مولانا عبدالسلام ندوی'' ص ۱۲۶

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰؓ

ناشر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن

خشوع و خضوع والی نماز

مکتوباتِ مجدّد الف ثانیؒ کی روشنی میں

تحریر : انوار الحق چوہدری ☆

مکتوباتِ مجدّد الف ثانی کی تین جلدیں زیرِ مطالعہ رہیں۔ یہ مکتوبات کا اُردو ترجمہ ہے جو مولانا زوار حسین شاہ صاحب نے کیا ہے اور ادارہ مجددیہ ۱۲/۵ بی۔ ناظم آباد نمبر ۳ کراچی ان کے ناشر ہیں۔

نماز کی اہمیت کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات سے متعلق چند مکتوبات نہایت دلنشین انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔ دفتر اول میں مکتوبات ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۶ خصوصیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا جو حضرات اپنی نمازوں کو بہتر طریقے پر ادا کرنے کا ذوق رکھتے ہیں وہ ان مکتوبات کا بہت غور سے مطالعہ فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۲۶۱ جلد اول میں حضرت مجدد صاحب نے میر محمد نعمان بدخشی کے نام یہ خط لکھا۔ میر محمد نعمان بدخشی نے خواجہ باقی باللہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور مجدّد صاحب کی خدمت میں ایک عرصہ گزارا۔ آپ نے میر صاحب کو اجازت نامہ عطا فرما کر ۱۰۱۸ھ میں تبلیغ کے لئے برہان پور روانہ کر دیا۔

اس مکتوب میں مجدّد صاحب لکھتے ہیں "اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز کے سیکھنے کا شوق اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو اور وہ شوق آپ کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہوں اور عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں۔

میر محمد نعمان بدخشی صاحب جو مجدد صاحبؒ کے پیر خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے اور

☆ ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز، قرآن اکیڈمی لاہور

انہیں مجدد صاحب نے خلافت دی تھی' اگر انہیں عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گزارنے کے متعلق مجدد صاحب لکھ رہے ہیں تو ہم جیسے عامیوں کا کیا حال ہو گا۔ ہمیں تو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کے لئے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔

خشوع و خضوع والی نماز کے لئے مکتوباتِ مجدّد الفِ ثانی کی روشنی میں بفضلِ باری تعالیٰ چند باتیں تحریر کر دی ہیں۔ اگر انہیں مطالعہ کر کے کسی ایک صاحب کو بھی ایسی نماز حاصل ہو گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس عاجز کو بھی ایسی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

نماز کی اہمیّت و فضیلت

(۱) "نماز دین کا ستون ہے"۔ ستون گر جانے کے بعد چھت بھی گر جاتی ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان حدِ فاصل نماز ہے۔ جس نے دانستہ نماز ترک کی وہ کفر میں داخل ہو گیا۔

(۲) ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : مَیں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ فرمایا : نماز۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا : جہاد۔

اپنے وقت پر نماز کا پڑھنا افضل ترین عمل ہے

(۳) اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ "نماز مؤمن کی معراج ہے"۔ دولتِ رؤیتِ باری تعالیٰ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج بہشت میں میسر ہوئی تھی اس جہاں میں وہ دولت آنحضور کو نماز میں میسر ہوئی تھی۔

(۴) بے شک نماز تمام بے حیائیوں اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت : ۴۵)

(۵) نماز مومن کا نور ہے۔

(۶) نماز جنت کی کنجی ہے۔

(۷) نماز حضور قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔

(۸) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(۹) بندے کو اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں (سجدہ میں) حاصل ہوتا ہے۔

(۱۰) آخرت میں سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا۔

(۱۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو آپؐ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

(۱۲) نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

(۱۳) دو صاحب اکٹھے مسلمان ہوئے۔ ایک شہید ہوا' دوسرے نے ایک سال کے بعد وفات پائی۔ ایک بزرگ صحابی نے خواب میں دیکھا کہ یہ شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوئے۔ آنحضور ﷺ سے دریافت فرمایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا : دوسرے صاحب کے ایک ماہ کے روزے اور ایک سال کی نمازیں شہید سے زیادہ ہوئیں۔ اس لئے وہ پہلے جنت میں داخل ہوئے۔

(۱۴) نماز ہی ہے جو غم گساروں کے لئے لذّت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت دیتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا : "اے بلال! مجھے نماز کے ذریعے راحت دے"۔

مکتوباتِ مجدّد الفِ ثانی کی روشنی میں نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

① نماز کے فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات

نماز کے فرائض' واجبات' سنتیں اور مستحبات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہئے۔ بقول مجدّد الفِ ثانیؒ "ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے نماز میں خشوع و خضوع حاصل ہوتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے وضو کے مستحبات میں سے کسی ایک مستحب کے ترک ہونے کی وجہ سے چالیس سال کی نمازوں کو قضا فرمایا تھا۔ (مکتوب ۲۹' دفتر اوّل)

نوٹ : نماز کے فرائض' واجبات' سنتیں اور مستحبات اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

② وضو

وضو کامل اور پورے طور پر کرنا چاہئے۔ ہر عضو کو تین بار باہتمام و کمال دھونا چاہئے' تاکہ سنّت کے طریقہ پر وضو ادا ہو۔ سارے سر کا مسح کرنا چاہئے۔ کانوں کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہئے۔ بائیں ہاتھ کی چھنگلیہ سے پاؤں کی انگلیوں میں نیچے کی طرف سے خلال کرنا چاہئے۔

کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے' جو مومن کی معراج ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہو۔ بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہئے۔ قراءت میں قدرِ مسنون کو مدِّ نظر رکھنا چاہئے۔

مسواک کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستّر درجہ افضل ہے۔

③ نظر

قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر' رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر' سجدے میں ناک کی نوک پر اور جلسہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہئے۔

جب نظر پراگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں پر جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ نماز حمیت اور حضورِ دل کے ساتھ میسر ہو گئی اور خشوع کے ساتھ ادا ہو گئی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔ رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے اور سجود کے وقت انگلیوں کو ملانا سنّت ہے۔

سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے' پھر دونوں ہاتھ' پھر ناک' پھر پیشانی۔ زانو اور ہاتھ زمین پر

رکھتے وقت دائیں طرف سے ابتداء کی جائے اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضاء کو اٹھانا چاہئے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پہلے پیشانی اٹھانی چاہئے۔

④ ارکانِ نماز میں طمانیت

نماز میں تعدیلِ ارکان واجب ہے۔ یعنی رکوع سجدہ' جلسہ' قومہ وغیرہ کو اچھی طرح ادا کرنا چاہئے۔ رکوع اور سجود میں طمانیت ضروری ہے' کیونکہ یہ فرض ہے۔ قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے' کیونکہ طمانیت فرض ہے۔ جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے۔ رکوع اور سجود کی کم سے کم تین تسبیحات ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سات یا گیارہ بار۔ تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے پانچ یا سات بار تسبیحات کہنا چاہئیں۔

نماز کی چوری

نماز میں رکوع اور سجدہ میں جلدی کرنا نماز کی چوری کہلاتا ہے۔ اس سے آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس شخص نے رکوع و سجود کو بخوبی اطمینان سے ادا نہیں کیا۔

⑤ ذاتِ باری تعالیٰ کا استحضار

دل میں یہ خیال (احساس) کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر کلام کر رہا ہوں۔ حدیث جبرئیل کے مطابق نماز احسان سے ادا کرے۔ یعنی نماز ایسے پڑھے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہیں۔ جب اس احساس سے نماز ادا کی جائے گی تو خشوع و خضوع حاصل ہو گا۔ یہ بھی خیال کرے کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو' پھر نماز نصیب ہو یا نہ نصیب ہو' کیونکہ موت کے وقت کا کسی انسان کو پتہ نہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ حضورِ قلب کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔

⑥ اذکارِ نماز کے معنی جاننا

نماز میں جو بھی آپ تلاوت کرتے ہیں وہ ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے تلاوت کریں۔ آپ جو بھی تلاوت کریں یا اذکار ادا کریں ان کے معنی آپ کو معلوم ہونے چاہئیں۔ نماز میں آپ اللہ سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو کیا آپ پسند کریں گے کہ وہ بات کہہ رہے ہیں جس کے معنی و مطلب آپ نہیں سمجھتے۔ سمجھ کر پڑھنے سے ذہن پُرسکون رہے گا' پراگندگی نہیں ہوگی' جس سے نماز میں خشوع اور خضوع حاصل ہوگا۔

☆ ☆ ☆

نماز کے فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات

نماز کی شرطیں

۱۔ بدن کا پاک ہونا۔ ۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا۔ ۳۔ جگہ کا پاک ہونا۔ ۴۔ ستر چھپانا۔ ۵۔ نماز کا وقت ہونا۔ ۶۔ قبلہ کی طرف مُنہ کرنا۔ ۷۔ نیت یعنی نماز کا ارادہ کرنا۔

نماز کے ارکان

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کہنا۔ ۲۔ قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ ۳۔ قراءت یعنی قرآن شریف پڑھنا۔ ۴۔ رکوع کرنا۔ ۵۔ دونوں سجدے کرنا۔ ۶۔ قعدہ اخیرہ یعنی نماز کے اخیر میں التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا۔

نماز کے واجبات

۱۔ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے مقرر کرنا۔ ۲۔ الحمد شریف پڑھنا۔ ۳۔ (الحمد کے بعد) سورت ملانا۔ ۴۔ ترتیب سے نماز پڑھنا۔ ۵۔ قومہ یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ ۶۔ جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔ ۷۔ سکون اور اطمینان سے نماز پڑھنا۔ ۸۔ پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا۔ ۹۔ دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا۔ ۱۰۔ جہری نمازوں (فجر' مغرب' عشاء' جمعہ' عیدین' تراویح اور وتر رمضان) میں امام کا بلند آواز سے قراءت کرنا اور سرّی

نمازوں (ظہر' عصر وغیرہ) میں ہر نمازی کا آہستہ آواز سے قراءت کرنا۔ ۱۱۔ مقتدی کو امام کی پیروی کرنا۔ ۱۲۔ (کم از کم) السلام کہہ کر نماز سے نکلنا۔ ۱۳۔ دعاء قنوت پڑھنا۔ ۱۴۔ عیدین کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز کی سنتیں

۱۔ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا۔ ۲۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال میں کھلی اور قبلہ رخ رکھنا۔ ۳۔ تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو نہ جھکانا۔ ۴۔ امام کو تمام تکبیریں بوقتِ حاجت بلند آواز سے کہنا۔ ۵۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا۔ ۶۔ ثنا (سُبحانک اللّٰھم) پڑھنا۔ ۷۔ اعوذ باللہ پڑھنا۔ ۸۔ بسم اللہ پڑھنا۔ ۹۔ فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھنا۔ ۱۰۔ آمین کہنا۔ ۱۱۔ ثناء' تعوذ اور تسمیہ سب کو آہستہ پڑھنا۔ ۱۲۔ سنت کے موافق قراءت کرنا۔ ۱۳۔ رکوع میں سر اور پیٹھ ایک سیدھ میں رکھنا اور کہنیاں پہلو سے الگ رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لینا۔ ۱۴۔ رکوع اور سجدہ میں تین تین بار تسبیح پڑھنا۔ ۱۵۔ قومہ میں امام کو سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کو ربّنا لک الحمد اور منفرد کو دونوں کہنا۔ ۱۶۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے' پھر دونوں ہاتھ' پھر ناک پھر ماتھا رکھنا اور اٹھتے وقت اس کے برخلاف کرنا۔ ۱۷۔ سجدہ میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے الگ رکھنا اور ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی' انگوٹھے کانوں کی سیدھ میں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں موڑ کر قبلہ رخ رکھنا۔ ۱۸۔ جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف رہیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔ ۱۹۔ ہاتھ رانوں پر رکھنے کی صورت میں انگلیاں قدرتی حالت میں اس طرح رکھنا کہ ان کے سرے گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ ۲۰۔ تشہد میں جب کلمہ پر پہنچے تو درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر لا الہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھانا اور الا اللہ کہنے پر جھکا دینا اور اخیر تک ہاتھ کو ویسے ہی رکھنا۔ ۲۱۔ قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد درود پڑھنا۔ ۲۲۔ درود کے بعد دعا پڑھنا۔ ۲۳۔ سلام کے لئے پہلے دائیں

طرف اور پھر بائیں طرف منہ پھیرنا۔

نماز کے مستحبّات

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت آستینوں سے دونوں ہتھیلیاں نکال لینا۔ ۲۔ منفرد کو رکوع اور سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ طاق عدد میں تسبیح کہنا۔ ۳۔ قیام اور قومہ کی حالت میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں پیروں کے اوپر، سجدہ میں ناک پر، جلسہ اور قعدہ میں گود میں اور سلام پھیرتے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا۔ ۴۔ جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنا۔ ۵۔ جمائی میں منہ بند کرنا اور کھل جانے پر حالت قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ سے اور باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے روکنا (درمختار، شامی)

مراجع و مصادر

(۱) مکتوبات مجدد الف ثانی ۳ جلدیں، اردو ترجمہ زوار حسین شاہ صاحب، ناشر ادارہ مجددیہ ۱۲/۵ ایچ۔ ناظم آباد نمبر ۳۔ کراچی

(۲) فضائل نماز، مولانا محمد زکریا صاحب

(۳) حقیقت نماز، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، ادارہ اسلامیات، انار کلی لاہور

(۴) دعوت نماز، مولانا عبدالشکور لکھنوی

(۵) مسائل نماز، مولانا جمیل احمد تھانوی

(۶) نماز کی کتاب، اکرام الحق، مکتبہ اسلامیہ ۲۳۶/ای، راولپنڈی

(۷) نمازیں سنّت کے مطابق پڑھئے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

پی ٹی وی پر نشر ہونے والا، امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام حقیقت دین

اب ہفتہ میں دوبار دیکھا جاسکتا ہے :

i) جمعرات شام سوا چھ بجے پی ٹی وی ورلڈ پر

ii) اتوار صبح ساڑھے نو بجے پی ٹی وی پر

امام ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام ابو سلیمان محمد خطابیؒ بڑے نامور محدث اور جامع کمالات تھے۔ ان کو اپنے زمانہ کے تمام علوم پر کامل دسترس حاصل تھی۔ جامعیت کے اعتبار سے امام خطابی علم وادب، زہد وورع، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں ممتاز تھے۔ اربابِ سیر اور تذکرہ نگاروں نے ان کے علم وفضل اور جامع العلوم ہونے کا اعتراف کیا ہے اور ان کو علامہ، محقق، جلیل القدر اور فاضل کبیر کے القاب سے یاد کیا ہے۔

امام خطابی کو تمام دینی علوم میں مکمل دستگاہ حاصل تھی، لیکن علمِ حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اس حیثیت سے ان کا شمار ممتاز محدثین میں ہوتا تھا۔ حفظِ حدیث، عدل واتقان اور فہم ودرایت میں ان کا درجہ بلند تھا۔ تذکرہ نگاروں نے انہیں ثقہ وثابت، حجت وصدوق اور امامِ حدیث لکھا ہے۔

حدیث کے علاوہ امام خطابی کو دوسرے علوم لغت وعربیت، نحو وادب اور معانی وبیان میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اہل سیر نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ امام خطابی دوسرے علوم میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کو شعروسخن سے بھی دلچسپی تھی۔ بہت اچھے شاعر تھے اور خود بھی مشق سخن کرتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ صاحب معجم الادباء نے ان کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں۔ آپ کے دو شعر ہیں ؎

(ترجمہ) "حوادث کے رکنے کو غنیمت سمجھو، کیونکہ یہ جلد ہی متحرک بھی ہو جاتے ہیں۔ اور سکون وسلامتی کے دنوں کو غنیمت سمجھو، کیونکہ یہ تمہارے پاس رہن ہیں اور جو چیز رہن ہو وہ تمہارے پاس چھوڑی نہیں جاسکتی۔"

(معجم الادباء ج ۲، ص ۸۴)

امام خطابی اپنے علم و فضل، زہد و اتقاء، ورع و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور مختلف النوع خصوصیات کی وجہ سے لوگوں کا مرجع بن گئے تھے، اس لئے امام و مقتدیٰ کہلاتے تھے۔ علامہ سمعانی نے ان کو ائمہ سنّت و حدیث کے نامور گروہ میں شامل کیا ہے۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے امام خطابی کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ بہت فیاض، سخی، ملنسار، حلیم الطبع اور پیکر اخلاق تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ حلال اور پاکیزہ رزق کماتے تھے اور اپنے دوستوں اور نیک لوگوں پر زر کثیر خرچ کرتے تھے۔

ولادت

امام خطابی رجب ۳۱۹ھ میں غزنی کے قریب قریہ بُست میں پیدا ہوئے۔ امام ابنِ حبّانؒ کا مولد و مسکن بھی یہی قریہ بُست تھا۔ یہ قریہ ساتویں صدی ہجری تک آباد رہا، اس کے بعد ویران ہو گیا۔

امام خطابی کا نام ابو سلیمان محمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب تھا اور اپنے پردادا خطاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام خطابی کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست حافظ ذہبی، ابنِ خلکان اور علامہ سبکی نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ امام ابو عبداللہ حاکم صاحب المستدرک کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

تحصیل علم کے لئے رحلت

امام خطابی کے زمانہ میں عراق، حجاز، خراسان، اور ماوراء النہر وغیرہ دینی علوم کا مرکز تھے۔ خصوصاً درایت و روایت میں یہ مراکز بہت مشہور تھے۔ امام خطابی نے ان سب مراکز کی طرف رجوع کیا اور ہر جگہ اساطین فن سے اکتساب فیض کیا۔ نیشاپور میں ان کا قیام طویل عرصہ تک رہا۔ وہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

تمام علوم دینی میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ حدیث، فقہ اور اجتہاد میں

یکتائے زمانہ تھے۔ حافظ ابنِ کثیر نے ان کو فقہاء مجتہدین میں شمار کیا ہے۔

فقہی مسلک

امام خطابی گو خود اجتہادی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی میں ممتاز تھے، تاہم وہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مسلک سے وابستہ تھے۔

وفات

امام خطابی نے بروز ہفتہ ۶ ربیع الثانی ۳۸۸ھ کو وفات پائی۔

تصانیف

امام ابو سلیمان خطابی کو تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق تھا۔ ان کی اکثر کتابیں بیش قیمت، حسن تالیف اور دلکش طرزِ تصنیف کا عمدہ نمونہ ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۱۳ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :

① کتاب تفسیر اسامی الرّب عزّوجل : یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی شرح ہے اور اس کا شمار امام خطابی کی بہترین تصانیف میں ہوتا ہے۔

② اعلام السُّنن : اسی کا نام "اعلام الحدیث" اور "شرح بخاری" بھی ہے۔ یہ شرح ایک جلد میں ہے۔ اس میں لطیف نکات اور مفید مطالب بیان کئے گئے ہیں۔

③ غریب الحدیث : اس کتاب کا شمار امام خطابی کی بہترین تصانیف میں ہوتا ہے اور علمائے فن نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

④ معالم السّنن : یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے اور صحاح ستہ کی مشہور کتاب "سنن ابی داؤد" کی طویل شرح ہے۔ اس شرح میں امام خطابی نے احادیث کی شرح، اس کے اہم مطالب کی تشریح و توضیح اور مشکلات کو نہایت عالمانہ و محققانہ انداز سے حل کیا ہے۔ امام خطابی نے احادیث کی تشریح و تفسیر اور بحث و تحقیق سے بڑے دقیق مسائل، گہرے معانی و حقائق اور دلچسپ نکات و نتائج مستنبط کئے ہیں۔ امام خطابی نے شرعی احکام کے علل و مصالح اور اسرار و حکم بیان کرنے میں بھی خاص توجہ کی ہے۔ اس

کے علاوہ امام خطابی نے حدیث کی فنی بحثوں اور اصولِ حدیث پر بڑی عالمانہ گفتگو کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس شرح کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"معالم السّنن فقہی حیثیت سے بھی نہایت اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ امام صاحب فقہ و خلاف میں ممتاز اور خود بھی صاحب تفقہ و اجتہاد تھے۔ چنانچہ اس میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اس زمانہ تک کے تمام ائمہ مجتہدین کی آراء و مسالک کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بعض مسائل سے امام صاحب کی فقہی ژرف نگاہی اور اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

وہ لغت و عربیت میں بھی ممتاز تھے۔ اس لئے لغوی و نحوی و صرفی بحثیں، کلام کی بلاغت، طرزِ ادا، اور اسلوبِ بیان کی بھی اس میں وضاحت کی گئی ہے۔ غرض حدیثوں کی تفسیر، ان کے مواقع استنباط، وجوہ معانی کی دلالت، مشکل الفاظ دقیق متون کی شرح، فقہی مباحث، احکام و مسائل کے استنباط اور علماء کے اقوال و اختلاف کی تفصیل وغیرہ کے لحاظ سے یہ بے نظیر اور متعدد گوناگوں فوائد، مختلف النوع مباحث اور حدیث سے متعلق اہم تحقیقات پر مشتمل نہایت جامع اور مدلل کتاب ہے"۔ (تذکرۃ المحدثین، ج ۲، ص ۱۲۵)

یہ کتاب مطبوع ہے۔

مراجع و مصادر

(۱) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان
(۲) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ
(۳) ابنِ جوزی، المنتظم
(۴) ابنِ سبکی، طبقات الشافعیہ
(۵) سمعانی، کتاب الانساب
(۶) شاہ عبد العزیز، بستان المحدثین
(۷) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین

اقبال نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب امپیریلزم کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو گرد پڑ گئی تھی۔ اس کو ہٹا کر دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ایک صحیح تصویر پیش کر سکیں۔ ان حقائق کی روشنی میں قائداعظم کی ۱۱/ اگست کی تقریر کے بعض جملوں سے یہ مراد لینا کہ وہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' نئی نسل کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ قائداعظم کی اس تقریر کی صحیح تشریح یہ ہے کہ وہ کہنا چاہتے تھے کہ پاکستان میں چونکہ مسلمان غالب اکثریت میں ہوں گے لہٰذا خالص جمہوری اصولوں پر بھی وہ بغیر کسی رکاوٹ کے پاکستان کو ایک مثالی اسلامی ریاست بنا سکیں گے۔ باقی قائداعظم کا یہ کہنا کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہبی معاملات میں آزادی حاصل ہو گی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سیکولرازم کے حامی یہ مفکرین سیکولر نیشن سٹیٹ کے حق میں دلیل کے طور پر میثاق مدینہ کو بھی پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس معاہدہ میں یہودیوں سے برابری کی بنیاد پر معاہدہ کیا کہ دونوں فریقین اپنے انفرادی دشمن کے مقابلے میں مشترکہ جنگ کریں گے۔ حالانکہ یہ محض ایک مشترکہ دفاعی معاہدہ تھا۔ جو آپؐ کی عسکری و سیاسی بصیرت کا شاہکار تھا۔ علاوہ ازیں اس معاہدے میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں کہ "فریقین میں اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہو گا۔" اس جملہ سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس میں اللہ اور رسول یعنی دین اسلام کو فیصلہ کن برتری حاصل تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ پوری دنیا میں سیکولرازم کو یہودیوں نے متعارف کروایا' کیونکہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اگر ریاست کا مذہب سے تعلق برقرار رہتا تو آج ان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہ ہوتی۔ لہٰذا یہودیوں نے اپنی بقا کے لئے سازش کے طور پر سیکولرازم کا جال بچھایا۔ اس طرح سیکولرازم کی حمایت کرنے والے گویا یہودی عزائم کو پورے کرنے میں ان کے آلہ کار بن رہے ہیں۔